آرزوئیں

عن عبد الله قال خط النبی ﷺ خطا مربعا وخط خطا فی الوسط خارجا منه وخط خططا صغارا الی هذا الذی فی الوسط من جانبه الذی فی الوسط فقال هذا الانسان وهذا اجله محیط به وهذا الذی هو خارج امله وهذه الخطط الصغار الاعراض فان اخطاه هذا نهسه هذا وان اخطاه هذا نهسه هذا۔ [رواہ البخاری]

''حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مربع شکل خط کھینچا اور ایک اس کے درمیان میں اس سے باہر نکلتا ہوا کھینچا اور پھر درمیان والے خط کی طرف چھوٹے خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ انسان ہے اور یہ اس کی اجل اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ باہر نکلنے والا خط اس کی آرزوئیں ہیں اور یہ چھوٹے خطوط عوارضات ہیں۔ ایک سے بچ کر نکلتا ہے تو دوسرا آن دبوچتا ہے۔''

ہمارے قومی تہوار

ہم بنیادی طور پر ایک نقال قوم ہیں۔ جس طرح دوسروں کو اپنا جشن آزادی مناتے دیکھا وہی طور طریقے اور انداز اپنا لیے۔ مثلاً اپنے شہداء کے لیے مسنون طریقے سے دعا اور استغفار کرنے کی بجائے ''ایک منٹ کی خاموشی اختیار کرنا'' ان کو توپوں کی سلامی دے کر خراجِ عقیدت پیش کرنا قومی ترانہ کے احترام میں کھڑا ہونا وغیرہ۔ بالکل یہی معاملہ ہمارے ہاں 23 مارچ والے دن یعنی یومِ قراردادِ پاکستان کے موقع پر ہوتا ہے۔ 6 ستمبر کا دن ہم نے ویسے ہی منانا چھوڑ دیا ہے۔ 28 مئی 1998ء کا عظیم الشان یومِ تکبیر بھی ہم نہیں مناسکتے کیوں کہ اس سے ہمارے بعض دوستوں کو پرخاش ہے اور ہم تو وہی کرنے کے پابند ہیں جس کی اجازت ہمیں ہمارے مغربی اور بھارتی آقا دیں۔ کجا یہ بات کہ ہم یومِ تکبیر کو اور 6 ستمبر کو اپنے نصابات میں شامل کرتے، استغفراللہ۔

ہمارا یومِ آزادی پہلے فوجی پریڈ وغیرہ دیکھنے میں صرف ہوتا تھا بچوں میں جوش وولولہ پیدا ہوتا تھا۔ مگر مشرف دور سے 23 مارچ اور 14 اگست والے پروگرام بھی رقص وسرود کی نذر ہونے لگے ہیں۔ 2005ء میں تو 14 اگست ایوانِ صدر کے اندر منایا گیا۔ اپنے سرپرست آقاؤں کے خوف سے کمانڈو صدر کو باہر کھلے میدان میں منانے اور فوجی پریڈ کروانے کی ہمت ہی پیدا نہ ہوسکی، وہاں رقص وسرود کے پروگرام منعقد ہوئے، صدرِ پاکستان نے خود بھی ''رقص'' کیا اور اس طرح بیرونی دنیا کے سامنے پاکستان کا ''خوش گوار تاثر'' Soft Image پیش کیا۔

گزشتہ 55 سالوں سے ہمارے قومی دن اسی کافرانہ ادا اور طور طریقوں کے ساتھ منائے جاتے رہے مگر پھر بھی کم از کم ان میں ایک تمکنت اور وقار تھا۔ جب کہ جنرل مشرف کے دور سے ان کا وہ وقار بھی رخصت ہوا اور صرف ''آزادی میلہ'' بن کر رہ گیا اور یومِ قراردادِ پاکستان بھی رقص وسرود کے پروگراموں کی نذر ہو کر رہ گیا۔ پھر ان پروگراموں میں صرف ایک مخصوص طبقہ اشرافیہ ہی شامل ہوتا ہے۔ ان موقعوں پر چند گنے چنے لوگوں کو میڈل بھی دیئے جاتے ہیں مگر عوام میں سے کوئی میڈل یا انعام کا حق دار بھی نہیں ہوتا۔

تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے عوام میں سے کون کون ان پروگراموں میں مدعو ہوتا ہے۔ کیا ان کی قربانیوں کو اجاگر کرنے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؟ یہ سماجی بے انصافیاں کیوں؟ ویسے بھی بل صرف عوام ادا کریں اور طبقہ خواص بلوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیوں؟ وہ انہی کی خون پسینے کی رقم پر عیش کرتا رہے آخر اس کی وجوہات کیا ہیں؟ پھر ہر سال 16 دسمبر آتا ہے جب ہمارا آدھا بازو ہم سے کٹ گیا تھا۔ مگر کبھی اس دلدوز واقعہ کا بھول کر بھی کوئی ذکر نہیں کرتا۔ [ہماری بدلتی قدریں، ص: ۱۸۷۔۱۸۹]

فہرست

نیکی پر تعاون

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ص وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ص وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ o ﴾

[المائدۃ:۲]

’’اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد نہ کرو۔‘‘

اچھا وزیر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ جب کسی حاکم وقت کے متعلق اچھا ارادہ کرتے ہیں تو اسے مخلص وزیر عطا فرما دیتے ہیں کہ اگر وہ کوئی ضروری بات بھول جائے تو وہ اسے یاد دلا دے اور اگر اسے کوئی کام یاد ہو تو وہ اس کی انجام دہی میں اس کے ساتھ تعاون کرے اور جب اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اچھا ارادہ نہ کرے تو اسے برا وزیر دے دیتے ہیں جو اسے بھولی ہوئی بات یاد نہیں دلاتا اور جو کام اسے یاد ہوں ان میں اس کی مدد نہیں کرتا۔‘‘ [ابوداؤد:۲۹۳۲]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَّخِذُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَنْ تُخْلِفَنِيْهِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهٗ شَتَمْتُهٗ، لَعَنْتُهٗ، جَلَدْتُّهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلٰوةً وَّزَكٰوةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

’’اے اللہ! میں تیرے پاس سے یہ وعدہ کہتا ہوں کہ تو مجھ سے اس کے خلاف نہیں کرے گا۔ میں تو ایک انسان ہوں تو جس مومن کو بھی میں نے تکلیف دی، گالی دی، لعنت کی یا کوڑا مارا تو اس زیادتی کو اس کے لیے دعا اور گناہوں سے پاکیزگی کا سبب اور قرب کا وہ ذریعہ بنا دے جس کے سبب وہ قیامت کے روز تیرے قریب ہو سکے۔‘‘

[بخاری:٦٣٦١]

کیا واقعی............؟

اداریہ ══════ حافظ احمد شاکر

ایک معروف حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم کہ سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر اس کے بعد والا پھر اس کے بعد والا (اوکمال قال ﷺ) بالکل اسی طرح بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول کیا گیا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی حیات مبارکہ اور آپ کے سانحہ ارتحال کے بعد اور پھر خلفائے اربعہ کے ادوار میں مسلمانوں کی نماز میں توجہ کے بارے میں جو ذکر کیا یا جو کیفیت بیان کی ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ عمل اور خیالات میں تبدیلی ہو جانا قدرتی بات ہے۔

مذکورہ بالا حدیث واثر سے ثابت ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ خیالات کے ٹھہراؤ اور عمل کے جذبے میں فرق آجاتا ہے جسے ہم ذہنی انتشار کہہ لیں، خیالات کی پراگندگی کہہ لیں، عمل میں تساہل کہہ لیں یا نعمتوں کی ناقدری کہہ لیں۔ یہ اصول اور کلیہ عموماً اچھے کاموں یا امور خیر میں ہوتا ہے و گرنہ برائی کی بڑھوتی تو ہر لمحہ، ہر دن اور ہر نسل میں تیزی سے جاری رہتی ہے۔ اس کی عمومی مثال آپ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ نسل در نسل ......یعنی نسلی...... مسلمانوں میں تعلیماتِ اسلامیہ پر عمل کا جذبہ کس قدر کمزور ہوا چلا جاتا ہے اور نومسلموں میں یہ جذبہ کتنا فراواں ہوتا ہے۔

....

قیامِ پاکستان بلکہ شاید تحریک پاکستان سے نظریہ پاکستان کو اسلام کا مرادف یعنی ہم معنی کہا اور سمجھا جا رہا ہے قیام پاکستان کے بعد جب وطن عزیز کو سیکولر بنانے کی بھنک علماء تک پہنچی تو ہر مکتب فکر کے علماء نے تحریک پاکستان کی تائید وعدم تائید سے قطع نظر اختلاف مسالک کو بالائے طاق رکھ کر فوراً حکومت کو نفاذ اسلام کے لیے ۲۲ متفقہ نکات پیش کر دیے لیکن وقت کے حکم رانوں کا ان متفقہ نکات کو تسلیم کرنا تو شاید مطلوب ہی نہ تھا بلکہ عام مسلمانوں میں فکری انتشار کی یہ کوشش تھی اس لیے اس سارے موضوع ہی کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا لیکن اگر چہ برائے وزن بیت ہی سہی گاہے گاہے نظریہ پاکستان اسلام، اقامت دین اور نظام مصطفیٰ کا نام کبھی دعویٰ، کبھی وعدہ اور کبھی نعرہ کے طور پر لیا جاتا رہا، ایک دور میں اسلام اور سوشلزم کا چرچا رہا، پھر اسلامی جمہوریت اور اسلامی سوشلزم کے نعرے بلند ہوئے اور ان اصطلاحات کا پریس میں تذکرہ رہا۔ پھر افغان جنگ کے دنوں لفظ جہاد معروف ہوا جو کم وبیش ایک دہائی تک بہ احترامات فائقہ چلتا رہا۔ پھر حادثہ بہاولپور کے بعد لفظ جہاد مطعون ہونا شروع ہو گیا اور جمہوریت نئے میک اپ اور نئی آب وتاب کے ساتھ اجاگر ہونا شروع ہوگئی اور جمہوریت کے ہجر وفراق میں کیا اسلامی اور کیا غیر سیاسی لیڈر مارے مارے پھرنے لگے جب کہ حادثے کے بعد جلد ہی جنرل اسلم بیگ نے بی جمہوریت تلاش کر کے سیاست دانوں کے حبالہ عقد میں دے دی اور تمغہ جمہوریت حاصل کر لیا۔ نتیجتاً جمہور کے حصے میں مہنگائی، بدامنی، انارکی اور آوارگی آئی اور جمہوریت کے متوالوں کے حصہ میں ذخیرہ اندوزی، دشمن پڑوسی سے تجارت، قرضوں کی معافی سے وہ فیض یاب ہوئے، عالمی طاغوت نے اب تک برسر اقتدار آنے والی ہر جمہوری حکومت سے نیو ورلڈ آرڈر کے شقوں پر حسب طلب عمل کرانا جاری رکھا اور جمہوری حکم ران حسب استطاعت اطاعت شعاری کا ثبوت دیتے رہے۔ جمہوری حکم رانوں کے تسلسل میں جب اطاعت شعاروں میں سے جوں ہی ایک فرد سے نافرمانی......ایٹمی دھماکہ......سرزد ہوئی تو آقا نے لمحوں میں سزا وار تعزیر ٹھہرا دیا۔ زندگی تھی تو مخلص دوست کام آ گئے جن کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے جوار حرم میں ان سیاسی گناہ گاروں کو پناہ دے دی شاید ایسے ہی کسی موقع کے لیے اقبال نے کہا تھا۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی   مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

لیکن افسوس کہ حرم کا سایہ اور مسجد نبوی کے قرب سے وہ اس طرح فیض یاب ......یعنی حب جاہ و مال سے نجات نہ پا سکے......نہ ہو سکے جس طرح کی ان سے توقع ہو سکتی تھی یا اس مقام کی توقع کی جانے لگی تھی۔ شاید اسی کو لا یخرج الا نکدا کہا جاتا ہے، وہ یوں کہ حالات نے جونہی کچھ پیچ ڈھیلے کیے تو میاں صاحبان لیلی اقتدار کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے صلیبی ذہن چوں کہ صلیبی جنگ شروع کر چکا تھا اس لیے ادھر عالمی حالات نے بھی کروٹ لی، اور میاں صاحبان مختلف عنوانات سے لندن وغیرہ میں اپنے محسنوں بلکہ مربیوں کی قدم بوسی کے لیے ان کی یاترا کے لیے حاضریاں بھرنے لگے۔

میاں برادران کی خوش قسمتی رہی کہ اہل پاکستان طاغوت کے لیے میاں صاحبان کی خدمات جلوزئی کیمپ کا آپریشن، بعض عرب مجاہدین کی حوالگی اور شہادتیں، بھارت سے تجارتی مفادات اور گندم آٹے کی مہنگائی کو فراموش کرنے پر اس لیے مجبور ہو گئے کہ ان کے جانشین نے میاں صاحب کے لیے **رحم اللہ النباش الاوّل** کہنے کا سامان کر دیا تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود پھر بھی میاں صاحبان کی زبان سے کبھی دین، اسلام اور نظام اسلام کا نام کبھی کبھار نکل جاتا اور کبھی کبھی وہ اس کے نفاذ کا ارادہ بھی گاہے ماہے ذکر کر دیتے تھے۔ جسے غنیمت سمجھا جاتا تھا۔

....

پاکستان کی سیاسی لغت میں خلائی انقلاب کے بعد کئی الفاظ داخل ہوئے اور کئی متروک، بنیاد پرست، انتہا پسند، جنگ جو، عسکریت پسند، دہشت گرد، خودکش جیسے الفاظ یا نام طاغوت نے ان کے رکھ دیئے جو کسی نہ کسی درجہ میں دین اسلام کا نام لیتے یا شعائر اسلام کا احترام اور ان کا تحفظ کرتے اور اعتدال پسند، روشن خیال، زمینی حقائق سے باخبر، جیسے القاب ان کو دے دیئے جو لبرل یعنی عمل گریز بلکہ اباحیت پسند پیٹ سے سوچنے والے کسی نظریے وفکر سے عاری اور ہمہ وقت خود سپردگی کے لیے حاضر رہنے والے تھے، غیر مشرف خلائی حکومت کے تعاون کی آٹھ سال کی ان تھک کاوشوں سے طاغوت پاکستانی سیاست پر صرف جمہوریت کی کلغی سجانے میں لگا رہا اور جمہوریت کا تکرار اور اگردان ہر سیاسی جماعت کیا اسلامی اور کیا غیر اسلامی کی طرف سے اس شدومد کے ساتھ جاری رہی کہ پاکستان کی سیاست سے نظریہ پاکستان، اسلام، نظام اسلامی جیسے لفظ ہی خارج ہو گئے۔

اب جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کے ناموں کے ساتھ لفظ اسلامی رہ گیا ہے اور سیاست میں چوں کہ عملاً جماعت اسلامی داخل ہے لیکن ذکر، تکرار اور طلب اس کو بھی صرف جمہوریت ہی کی رہ گئی ہے باقی رہی مسلم لیگ ن، ف، ق تحریک انصاف ان کے تو نام بھی اس......''اسلامی''...... سے محفوظ ہیں۔

اس سارے تذکرے سے مقصود صرف یہ ہے کہ ۶۲ سال گزرنے کے بعد وطن عزیز پر یہ وقت آ چکا ہے کہ جس دوقومی نظریہ کے بنیاد پر پاکستان وجود میں لایا گیا تھا۔ اب وہ دوقومی نظریہ بھی بایں انداز دفن کیا جا رہا ہے کہ خلائی حکومت اگر چہ کامیاب تو نہ ہو سکی لیکن بھارت کو حکومتی وقومی سطح پر بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دیئے جانے کی اس نے بھرپور کوشش کی۔ اور اب پاکستان کے موجودہ صدر بھارت کو پاکستان کے لیے بے خطر سمجھنے کی باعہدۂ صدر مملکت پاکستان اظہار کر چکے ہیں جس کا منطقی نتیجہ تو وہی نکل رہا ہے جو نکلنا چاہیے تھا کہ اب حصولِ اقتدار کی خاطر جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت اہل حدیث اور فقہ جعفریہ سمیت سیاسی تالاب میں اشنان کرنے والی جماعتوں کے کسی قائد یا سیاسی لیڈر نے اسلام کا نام لینا اور تذکرہ کرنا ہی چھوڑ دیا ہے چہ جائیکہ اسی کے نفاذ کا کوئی وعدہ کرے۔ یہ صورت حال کسی قدر تشویش ناک اور اندوہناک ہے؟ ہر دل دردمند اس کا احساس کر سکتا ہے۔ بہت سال قبل ایک معروف صحافی نے پاکستان اور یورپ کی حکومتوں کا تجزیہ بایں الفاظ کیا تھا کہ عیسائی عوام بے مذہب ہیں لیکن ان کی حکومتیں مذہبی ہیں اور پاکستان کے عوام مذہبی اور دین پسند ہیں جب کہ پاکستان کی حکومتیں لادین ہوتی ہیں۔ کیا اسی کو سچ مان لیا جائے؟ اور کیا واقعی یہی صحیح ہے؟

تحقیق وتنقید

رسول اللہ ﷺ سے وفات تک رفع الیدین کا ثبوت

غلام مصطفیٰ ظہیر، امن پوری (مدیر ماہنامہ ''السنہ'')

رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اُٹھ کر رفع الیدین کرتے تھے، اس کا ترک ثابت نہیں، دلائل ملاحظہ ہوں:

دلیل نمبر ①: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

إن رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة، وإذا كبر للركوع، وإذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك أيضاً وقال سمع الله لمن حمدهٔ ربنا ولك الحمد ، وكان لا يفعل ذلك في السجود ـ [صحيح بخاری: ١٠٢/١، حديث: ٧٣٥، ٧٣٦، ٧٣٨ـ صحيح مسلم: ١/ ١٦٨، حديث: ٣٩٠]

''بے شک رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے تھے، جب رکوع کے لیے ''اللہ اکبر'' کہتے اور جس وقت رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح رفع الیدین کرتے تھے اور ''سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا ولک الحمد'' کہتے۔ سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔''

راوی حدیث کا عمل: سلیمان الشیبانی کہتے ہیں:

رأيت سالم بن عبد الله إذا افتتح الصلاة رفع يديه، فلما ركع رفع يديه، فلما رفع رأسه رفع يديه، فسألته فقال: رأيته أبي يفعله، فقال: رأيت رسول الله ﷺ يفعله ـ [حديث السراج: ٢/ ٣٤، ٣٥، حديث: ١١٥، وسنده صحيح]

''میں نے سالم بن عبداللہ تابعی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے جب نماز شروع کی رفع الیدین کیا، جب رکوع کیا رفع الیدین اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو رفع الیدین کیا، میں نے آپ رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے اپنے باپ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایسے کرتے دیکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔''

سبحان اللہ! کتنی پیاری دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ تا وفات رفع الیدین کرتے تھے، راویٔ حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کا رفع الیدین ملاحظہ فرمایا، خود بھی رفع الیدین کیا، جہاں تک ان کا بیٹا سالم جو تابعی ہیں، وہ آپ کا رفع الیدین ملاحظہ کر رہے ہیں، وہ خود بھی رفع الیدین کر رہے ہیں۔

جناب رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''جو سنت کی محبت سے بلا شر وفساد آمین بالجہر اور رفع یدین کرے اس کو برا نہیں جانتا۔'' [تذکرۃ الرشید: ۲/۱۷۵]

اے اللہ! زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے تو جانتا ہے کہ ہم رفع الیدین اور آمین بالجہر محض تیرے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت سے محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ②: سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیس دن رہے، جب واپس جانے لگے تو نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا:

صلو كما رأيتموني أصلي ـ [صحيح بخاری: ١/ ٨٨، حديث: ٦٣١]

''نماز ایسے پڑھو جیسا کہ تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

راویٔ حدیث کا عمل: ابوقلابہ تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے:

أنه رأى مالك بن حويرث إذا صلى كبر ورفع يديه، وإذا أراد أن يركع رفع يديه، وإذا رفع رأسه من الركوع رفع يديه، وحدث أن رسول الله ﷺ صنع هكذا ـ [صحيح بخارى: ١/ ١٠٢، حديث: ٧٣٧ـ صحيح مسلم: ١/ ١٦٨، حديث: ٣٩١]

''انہوں نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھا کہ جب آپ نماز پڑھتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے اور رفع الیدین کرتے، جب رکوع کو جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''

صحابی رسول سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہی عمل مبارک تھا۔ ثابت ہوا نبی کریم ﷺ تا وفات رفع الیدین کرتے رہے۔

دلیل نمبر ③: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز میں داخل ہوتے تو رفع الیدین کیا اور ''اللہ اکبر'' کہا، پھر کپڑا لپیٹ لیا۔ دایاں ہاتھ مبارک بائیں ہاتھ مبارک پر رکھا، جب رکوع کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے، پھر رفع الیدین کیا اور ''اللہ اکبر'' کہا، جب (رکوع کے بعد) ''سمع اللہ لمن حمدہٗ'' کہا تو رفع الیدین کیا، سجدہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔ [صحیح مسلم: ١/ ١٧٣، حدیث: ٤٠١]

واضح رہے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ۹ھ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔ [عمدۃ القاری از عینی حنفی: ۲۷۴/۵]

ایک وقت کے بعد موسم سرما میں دوبارہ آئے رفع الیدین کا مشاہدہ کیا۔ [سنن ابی داؤد: ٧٢٧ وسندہٗ حسن]

دلیل نمبر ④: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے اور اسی طرح آپ ﷺ قرأت مکمل کرتے۔ رکوع کا ارادہ کرتے تو رفع الیدین کرتے اور رکوع سے اٹھ کر بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ آپ ﷺ نماز میں بیٹھے ہوئے رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ دو رکعتوں سے اٹھ کر بھی رفع الیدین کرتے اور ''اللہ اکبر'' کہتے تھے۔ [سنن ابی داؤد: ٧٤٤، سنن الترمذی: ٣٤٢٣، مسند الامام احمد: ١/ ٩٣ وسندہ حسن]

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' کہا ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۵۸۴) نے اس کو ''صحیح'' کہا ہے۔ راویٔ حدیث سلیمان بن داؤد الہاشمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

هذا عندنا مثل حديث الزهرى عن سالم عن أبيه ـ [سنن الترمذى تحت: ٣٤٢٣ وسنده صحيح]

''یہ ہمارے نزدیک زہری کی حدیث جو سالم سے ہے اور وہ اپنے باپ عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں، کی مثل ہے۔''

اس کے راوی عبدالرحمٰن بن ابی الزناد جمہور کے نزدیک ''ثقہ'' ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وهو ثقة عند الجمهور وتكل فيه بعضهم بما لا يقدح فيه ـ [نتائج الافكار لابن حجر: ٣٠٤]

''یہ جمہور (محدثین) کے نزدیک ''ثقہ'' ہے، بعض نے اس میں کلام کی ہے، جو موجب قدح نہیں ہے۔''

مدینہ میں اس کی حدیث ''صحیح'' اور مراۃ میں ''مضطرب'' تھی۔ اس پر جرح اسی صورت پر محمول ہے، یہ روایت مدنی ہے۔ وللہ الحمد

دلیل نمبر ⑤: ابوالزبیر کہتے ہیں:

إن جابر بن عبد الله كان إذا افتتح الصلاة رفع يديه، و إذا ركع، واذا رفع رأسه من الركوع فعل مثل ذلك، ويقول: رأيت رسول الله ﷺ فعل مثل ذلك ـ [سنن ابن ماجه: ٨٦٨، وسندهٗ صحيح]

''سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تھے، تو رفع الیدین کرتے تھے، جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے، تو اسی طرح رفع الیدین کرتے تھے اور

کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔''

ابوالزبیر محمد بن تدرس نے ''مسند السراج'' (۹۲) میں سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔

دلیل نمبر ⑥: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

هل أريكم صلاة رسول الله ﷺ؟ فكبر ورفع يديه، ثم كبر ورفع يديه للركوع، ثم قال: سمع الله لمن حمده، ثم رفع يديه، ثم قال: هكذا فاصنعوا، ولا يرفع بين السجدتين ـ [سنن الدارقطني: ١/ ٢٩٢، حديث: ١١١١، السنن الكبرىٰ للبيهقي: ٣/ ٢٧ وسنده صحيح]

''کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں، آپ رضی اللہ عنہ نے ''اللہ اکبر'' کہا اور رفع الیدین کیا پھر ''اللہ اکبر'' کہا اور رکوع کے لیے رفع الیدین کیا پھر ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہا اور رفع الیدین کیا، فرمایا تم بھی ایسا ہی کرو، اور نبی کریم ﷺ دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ورجالہ ثقات ''اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔'' [التلخيص الحبير: ١/ ٢١٩]

اس حدیث سے ''بعض الناس'' کا یہ کہنا کہ ''۹ مقامات پر رفع الیدین کا اثبات اور ۱۸ مقامات پر نفی دکھاؤ'' باطل ومردود ٹھہرتا ہے۔ کیوں کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد رفع الیدین کررہے ہیں۔ رفع الیدین والی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی نماز قرار دے رہے ہیں، ہمیں بھی رفع الیدین کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ صحابہ کرام نے جہاں آپ ﷺ کو رفع الیدین کرتے دیکھا وہاں کیا، جہاں نہیں دیکھا وہاں نہیں کیا۔

دلیل نمبر ⑦: سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نماز پڑھ کر دکھائی، تو نماز شروع کرتے وقت رکوع کو جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع الیدین کیا، تو دس کے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

صدقت هكذا كان يصلي النبي ﷺ ـ [مسند الإمام احمد: ٥/ ٤٢٤، سنن أبي داؤد: ٧٣٠، سنن الترمذي: ٣٠٤، ٣٠٥ وسنده صحيح]

''تو سچ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔''

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' کہا ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۵۸۷)، امام ابن الجارود (۱۹۲)، امام ابن حبان (۱۸۶۵) اور حافظ خطابی (معالم السنن: ۱/۱۹۴) نے اُس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اُس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے۔ [خلاصة الاحكام: ١/ ٣٥٢]

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حديث أبي حميد هذا حديث صحيح متلقى بالقبول لا علة له وقد اعله قوم بما براه الله أئمة الحديث منه ونحن نذكره ما عللوه به ثم نبين فساد تعليلهم وبطلونه معون الله ـ [تهذيب السنن لابن قيم الجوزية: ٢/ ١٦]

''یہ حدیث ''صحیح'' ہے۔ اُسے امت نے صحت وعمل کے لحاظ سے قبول کرلیا ہے۔ اس میں کوئی علت نہیں ہے، ہاں اُسے ایسی قوم (احناف) نے معلول کہا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے ائمہ حدیث کو بری قرار دیا ہے۔ اور ہم ان کی بیان کردہ علتوں کو ذکر کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے ان کی فاسد وباطل ہونا بیان کریں گے۔''

امام محمد بن یحییٰ الذہلی ابوعبداللہ النیسابوری رحمہ اللہ (۲۵۸) فرماتے ہیں:

''جو آدمی یہ حدیث سن لے اور پھر رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے لیے رفع الیدین نہ کرے، تو اس کی نماز ناقص ہے۔'' [صحيح ابن خزيمه: ١/ ٢٩٨ وسنده صحيح]

ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رفع الیدین کو منسوخ نہیں سمجھتے تھے،

بلکہ اس پر عمل کرتے تھے۔

دلیل نمبر ⑧: امام ابواسماعیل محمد بن اسماعیل سلمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابونعمان محمد بن فضیل رحمہ اللہ کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے نماز شروع کرتے وقت رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا، تو میں نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا، تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے امام حماد بن زید رحمہ اللہ کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے نماز شروع کرتے وقت رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا تو میں نے رفع الیدین کے بارے میں ان سے سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ کے پیچھے نماز پڑھی، وہ نماز شروع کرتے وقت رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے، میں نے جب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے پیچھے نماز پڑھی، وہ نماز شروع کرتے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ جب میں نے رفع الیدین کے بارے میں ان سے پوچھا تو امام عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ میں نے (صحابی رسول) سیدنا عبداللہ بن یسر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ رضی اللہ عنہ نماز شروع کرتے وقت رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ امام عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے رفع الیدین کے بارے میں عبداللہ بن زبیر (صحابی رسول) رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، وہ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (خلیفہ اول) نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔'' [السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۷۳ وسندہ صحیح]

خود امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **رواتہ ثقات**

''اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

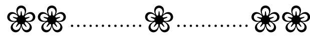
نیز حافظ ذہبی رحمہ اللہ [المہذب فی اختصار السنن الکبریٰ: ۲/ ٤٩] اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ [التلخیص الحبیر: ۱/ ۲۱۹] نے اس حدیث کے راویوں کو ''ثقہ'' کہا ہے۔

قارئین کرام! آپ اس سنہری کڑی پر غور کریں، تو ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اس سنت کو اپنانے کی توفیق سے نوازے، آمین یا ربّ العالمین!

تنبیہ: الامام القاضی الثقہ ابوجعفر احمد بن اسحاق بن بہلول البغدادی رحمہ اللہ (۳۱۸ھ) کہتے ہیں:

''میں عراقیوں کے مذہب پر تھا، تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ پہلی تکبیر میں اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔''

[سنن الدارقطنی: ۱/ ۲۹۲، حدیث: ۱۱۱۲ وسندہ صحیح]



فکر ونظر

راوی کے فقیہ اور غیر فقیہ ہونے کی بحث

اصول الشاشی کی ایک روایت پر ایک نظر

حافظ ریاض احمد عاقب

علمائے احناف کی یہ روش انتہائی جارحانہ ہے کہ ایک طرف یہ حضرات محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کو غیر فقیہ، غیر مجتہد، روایت پرست، ناقل روایت، عطار، ڈسپنسر اور پنساری قرار دیتے ہیں۔

(محدثین اور فقہائے حدیث پر جو فقہ و درایت سے بے خبری کا الزام دیا جاتا ہے تو اس فقہ سے مراد ان کے ہاں متعارف اور فنی فقہ ہوتی ہے جو ان کے مدارس و درس گاہوں میں صنعت و حرفت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

یہ فقہ یونانی نظریات، متکلمین کی موشگافیوں، مناطقہ و فلاسفہ کی نکتہ چینیوں اور اعتزال کی گمراہیوں سے مرکب ہے۔ مامون الرشید کے دور سے متوکل کے زمانہ تک ائمہ حدیث و سنت پر جو آزمائش آئی، وہ اسی قسم کی فقہ کا نتیجہ تھا۔

درحقیقت نزولِ قرآن کے وقت اس قسم کے فقہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس قسم کے فقہ سے واقعی محدثین کرام متعارف نہ تھے۔ بلکہ وہ فقہ القرآن اور فقہ الحدیث کے ماہر تھے۔ مروّجہ فقہوں کے ماہران کی رفعت اور مقام و مرتبہ کو نہیں پا سکے۔

محدثین کرام نہ صرف فقہ الحدیث کے ماہر تھے بلکہ مروّجہ فقہوں پر ان کی نظر بہت گہری تھی، وہ ان مروّجہ فقہی مذاہب پر بڑی غائر تنقید کرتے تھے، امام بخاری، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام بیہقی، امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہم اور امام ابن شیبہ رحمہ اللہ وغیرہم کی دقت نظر اہل علم حضرات میں مشہور و معروف ہے۔ کتب احادیث میں محدثین کی تبویب ان کے فقیہ اور مجتہد ہونے کی واضح دلیل ہے اور منصف مزاج علمائے احناف نے بھی محدثین عظام کو فقیہ اور مجتہد مطلق قرار دیا ہے جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔ لہٰذا محدثین کرام کو غیر فقیہ، ناقل روایت اور پنساری کہنا باطل اور حقیقت سے آنکھیں چرانا ہے۔)

دوسری طرف یہ حضرات اپنے ہم مسلک علمائے کرام کو فقیہ اور محدث قرار دیتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ علمائے کرام اور ائمہ اصول نقل روایت میں متساہل تھے۔ ان کا مشغلہ مسائل فقیہ کا استنباط واستخراج تھا۔

ان کا حدیث رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم تعلق تھا۔ اس حقیقت پسندی کا اظہار بعض منصف مزاج علمائے احناف نے واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے۔ چناں چہ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ اس حقیقت کو یوں آشکار کرتے ہیں:

فَکَمْ مِنْ کِتَابٍ مُعْتَمَدٍ اِعْتَمَدَ عَلَیْهِ أَجِلَّةُ الْفُقَهَاءِ مَمْلُوْءٌ مِنَ الْأَحَادِیْثِ الْمَوْضُوْعَةِ وَلَا سِیَّمَا الْفَتَاوٰی فَقَدْ وُضِّحَ لَنَا بِتَوْسِیْعِ النَّظْرِ أَنَّ أَصْحَابَهُمْ وَإِنْ کَانُوْا مِنَ الْکَامِلِیْنَ لٰکِنَّهُمْ فِیْ نَقْلِ الْأَخْبَارِ مِنَ الْمُتَسَاهِلِیْنَ ۔ [دیکھو: النافع الکبیر مقدمة الجامع الکبیر، ص: ۱۲۲، ۱۲۳]

”کتنی ہی قابل اعتماد کتابیں ہیں جن پر بڑے بڑے فقہاء نے اعتماد کیا ہے مگر وہ (کتب) موضوع احادیث سے بھری پڑی ہیں بالخصوص جو فتاویٰ جات ہیں۔ وسعت نظر سے ہم پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ ان کے (مصنفین) گو کاملین میں سے تھے مگر احادیث نقل کرنے میں وہ متساہلین میں شمار ہوتے ہیں۔“

فقہائے کرام کی اس تساہل پسندی کے بارے علامہ ملا علی قاری

حنفی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

لَا عِبْـرَةَ بِنَقْلِ النِّهَايَةِ وَلَا بَقِيَّةِ شُرَّاحِ الْهِدَايَةِ فَإِنَّهُمْ لَيْسُـوْا مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَلَا أَسْنَدُوا الْحَدِيْثَ إِلٰى أَحَدٍ مِّنَ الْمُخَرِّجِيْنَ۔ [دیکھو: موضوعات کبیر، ص: ۱۲۵۔ الموضوع، ص: ۱۵۷ اور الاجوبة الفاضلة، ص: ۳۰]

''صاحب نہایہ (حسن بن علی السغناقی) اور دیگر ہدایہ کے شارحین کی نقل روایت کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ وہ محدثین میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی وہ حدیث کی سند محدثین تک پہنچاتے ہیں۔''

شیخ ابوغدہ اس بارے یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

وَلَا تَـغْتَـرَّ بِـذِكْـرِ بَـعْـضِ الْفُقَهَاءِ مِنْ أَجِلَّةِ الْحَنَفِيَّةِ وَالشَّـافِعِيَّةِ لِهٰذِهِ الْجُمْلَةِ: اَلْأَذَانُ جَزْمٌ وَالْإِقَامَةُ جَزْمٌ وَالتَّـكْبِيْـرُ جَـزْمٌ ۔ حَـدِيْثًا نَبَوِيًّا فِيْ كُتُبِ الْفِقْهِ فَقَدْ عَـلِـمْـتَ أَنَّهَـا مِـنْ كَلَامِ إِبْـرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ وَلَيْسَتْ بِـحَـدِيْـثٍ نَبَـوِيٍّ وَالْمُعَوَّلُ عَلَيْهِ فِيْ هٰذَا الْبَابِ قَوْلُ الْمُحَدِّثِيْنَ لَا الْفُقَهَاءِ عَلٰى جَلَالَةِ قَدْرِهِمْ ۔ [دیکھو: حاشیہ المصنوع، ص: ۵۵]

''بعض جلیل القدر حنفی اور شافعی فقہاء رحمہ اللہ کا اپنی فقہ کی کتابوں میں اس جملہ ''اَلْأَذَانُ جَزْمٌ وَالْإِقَامَةُ جَزْمٌ، الخ'' کو بطور حدیث نبوی کے ذکر کرنا تمہیں دھوکا میں مبتلا نہ کردے۔ آپ نے یقیناً جان لیا ہے کہ یہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے، حدیث نبوی نہیں ہے۔ اور اس باب میں اعتماد محدثین کے قول پر ہے۔ فقہاء کی جلالت قدر کے باوصف ان کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔''

ان علمائے احناف کے بیان سے حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ نقل روایات میں اعتماد محدثین پر ہے، فقہاء پر نہیں۔ ان علمائے احناف کے علاوہ دوسرے علمائے کرام نے بھی اکثر فقہائے عظام کے بارے یہی شکوہ کیا ہے۔

تفصیل کے لیے ہمارے شیخ محقق العصر، علامہ ارشاد الحق اثری کی کتاب ''احادیث ہدایہ کی فنی وتحقیقی حقیقت'' [ص: ۹ تا ۱۴] ملاحظہ کریں۔

جب یہ بات معلوم ہوچکی کہ فقہائے کرام نقل روایت میں متساہل ہیں اس لیے ان کی نقل روایت پر اعتماد نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ان کو محدث قرار دینا فضول ہے۔

اس ساری تمہید کے بعد آج ہم قارئین کرام کے سامنے روایت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقت آشکار کررہے ہیں۔ جیسے صاحب اصول الشاشی نے خبر واحد پر عمل کرنے کی شرط پر بطور دلیل ذکر کیا ہے۔ سیاق وسباق کے اعتبار سے صاحب اصول الشاشی نے راوی حدیث کی دو قسمیں ذکر کی ہیں: ① ایک وہ جو فقیہ اور مجتہد ہیں، ② دوسرے غیر فقیہ اور غیر مجتہد ہیں۔

دوسری قسم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو شمار کیا ہے کیا یہ صحابہ کرام کی گستاخی نہیں ہے؟

غالباً یہ تاثر روافض اور معتزلہ سے لیا گیا ہے۔ بلکہ اصول فقہ کی تشکیل میں متکلمین اور معتزلہ کافی حد تک دخیل ہیں۔ اس لیے علمائے اصول بھی ان مبالغہ آمیزیوں سے کافی حد تک متاثر ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اصولِ فقہ کے مصنّفین میں ارباب اعتزال کو بہت حد تک دخل ہے۔ اس بارے علامہ کاتب چلپی رحمہ اللہ، علامہ علاؤ الدین حنفی رحمہ اللہ سے حقیقت یوں ظاہر کرتے ہیں:

اِعْـلَـمْ أَنَّ أُصُوْلَ الْفِقْهِ فَرْعٌ لِعِلْمِ أُصُوْلِ الدِّيْنِ فَكَانَ مِـنَ الـضَّـرُوْرَةِ أَنْ يَـقَـعَ التَّصْنِيْفُ فِيْهِ عَلٰى اِعْتِقَادِ مُـصَنِّفِ الْكِتَابِ، وَأَكْثَرُ التَّصَانِيْفِ فِيْ أُصُوْلِ الْفِقْهِ لِأَهْـلِ الْاِعْتِـزَالِ الْـمُـخَالِفِيْنَ لَنَا فِي الْأُصُوْلِ ۔ الخ [دیکھو تفصیل کے لیے: کشف الظنون عن الکتب والفنون: ۱/ ۶۹۔ بحث اصول الفقه، نیز ابجد العلوم: ۲/ ۳۲۵ ملاحظہ کریں]

''جان لو! اصول فقہ علم کلام کی فرع ہے۔ اور یہ ضروری تھا کہ ہر تصنیف اپنے مصنف کے اعتقاد پر واقع ہوتی۔ اصول فقہ میں زیادہ تر تصانیف معتزلہ کی ہیں جو اصول میں ہمارے

مخالف ہیں۔ اس کے بعد علامہ علاؤ الدین حنفی رحمہ اللہ نے حنفی علمائے اصول کی تصانیف کا تذکرہ کیا ہے کہ ہمارے بعض علماء دقائق اصول سے بے خبر تھے اور معقولات کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے اس لیے ہمارے اصول کی کتب میں آمیزش ہو گئی ہے۔''

علامہ موصوف کا ارشاد بالکل صحیح ہے کہ اصول فقہ اعتزال کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہا۔

فقہ راوی اور خبر واحد کی ظنیت کا مسئلہ اعتزال کی راہ سے علمائے اصول میں آیا ہے۔ اسی وجہ سے اصول الشاشی کے مصنف نے راوی کی فقیہ اور غیر فقیہ کی طرف تقسیم کی ہے اور خبر واحد کی بحث کو چھیڑا ہے۔

صاحب اصول الشاشی لکھتے ہیں:

وَبِاعْتِبَارِ اخْتِلَافِ أَحْوَالِ الرُّوَاةِ قُلْنَا شَرْطُ الْعَمَلِ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ أَنْ لَّا يَكُوْنَ مُخَالِفًا لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الْمَشْهُوْرَةِ وَأَنْ لَّا يَكُوْنَ مُخَالِفًا لِلظَّاهِرِ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامِ: تُكْثَرُ لَكُمُ الْأَحَادِيْثُ بَعْدِيْ فَإِذَا رُوِيَ لَكُمْ عَنِّيْ حَدِيْثٌ فَأَعْرِضُوْهُ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ فَمَا وَافَقَ فَاقْبَلُوْهُ وَمَا خَالَفَ فَرُدُّوْهُ ۔ الخ [اصول الشاشی، ص:۸۳، ط: مکتبہ اکرمیۃ]

''راویوں کے احوال مختلف ہونے کی وجہ سے ہم نے کہا ہے کہ خبر واحد پر عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن اور سنت مشہورہ کے مخالف نہ ہو اور ظاہر کے بھی خلاف نہ ہو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میرے بعد تمہارے پاس بہ کثرت احادیث آئیں گی۔ جب میری طرف سے حدیث بیان کی جائے تو اسے کتاب اللہ پہ پیش کرو جو کتاب اللہ کے موافق آئے اسے قبول کرلو اور جو مخالف ہو اسے ردّ کردو۔''

صاحب کتاب نے اصول بنا کر کتنے وثوق سے فرمایا ہے:

قال علیہ السلام ۔ الخ

حالاں کہ یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ زنادقہ اور خوارج کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔ اہل علم کے نزدیک یہ روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔ [دیکھو الموافقات للشاطبی، ج:۴، ص:۱۸]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''المدخل'' میں اس حدیث پر اور اس باب کی تمام روایات پر نقد کیا ہے۔ تفصیل کے لیے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا رسالہ ''مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة'' [ص:۲۱] طبع ثالث، ملاحظہ ہو۔ اس حدیث پر ہمارے شیخ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے ''احادیث ہدایہ'' [ص:۲۱،۲۲] میں اچھی بحث کی ہے۔ قارئین کرام اس کتاب کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔

اصول بنانے کے بعد صاحب کتاب نے ایک من گھڑت روایت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے۔ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی نسبت کرنا حرام ہے۔

بعد ازاں اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے صاحب کتاب نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی جس بارے مصنف رقم طراز ہے:

وَتَحْقِيْقُ ذٰلِكَ فِيْمَا رُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنه أَنَّهُ قَالَ: كَانَتِ الرُّوَاةُ عَلٰى ثَلٰثَةٍ ۔

۱۔ مُؤْمِنٌ مُخْلِصٌ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَعَرَفَ مَعْنٰى كَلَامِهٖ ۔

۲۔ وَأَعْرَابِيٌّ جَاءَ مِنْ قَبِيْلَةٍ فَسَمِعَ بَعْضَ مَا سَمِعَ وَلَمْ يَعْرِفْ حَقِيْقَةَ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرَجَعَ إِلٰى قَبِيْلَةٍ فَرَوٰى بِغَيْرِ لَفْظِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَتَخَيَّرَ الْمَعْنٰى وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّ الْمَعْنٰى لَا يَتَفَاوَتُ ۔

۳۔ وَمُنَافِقٌ لَمْ يُعْرَفْ نِفَاقُهٗ فَرَوٰى مَا لَمْ يَسْمَعْ وَافْتَرٰى فَسَمِعَ مِنْهُ أُنَاسٌ فَظَنُّوْهُ مُؤْمِنًا مُخْلِصًا فَرَوَوْا ذٰلِكَ وَاشْتُهِرَ بَيْنَ النَّاسِ ۔ [اصول الشاشی، ص:۸۳]

''اور (راویوں کے احوال مختلف ہونے کی) تحقیق یہ ہے جو قول علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ راویوں کی تین اقسام ہیں:

① ...... وہ مومن مخلص راوی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو اور آپ علیہ السلام کے کلام کا معنی و مفہوم پہچان لیا ہو۔

②...... وہ بدوی جو کسی قبیلہ سے آیا ہو اس نے بعض کلام سنا ہو۔ اور رسولِ اکرم ﷺ کے کلام کی حقیقت نہ جان سکا ہو تو جب وہ اپنے قبیلہ کی طرف واپس گیا تو اس نے وہ حدیث اپنے الفاظ میں بیان کرکے اس کا معنی بدل دیا ہو اور حالاں کہ وہ یہ گمان کرتا ہو کہ معنی مختلف نہیں ہوا۔

③...... وہ منافق راوی جس کا نفاق معروف نہ ہو۔ تو یہ وہ روایات بیان کرتا ہے جو اس نے سماعت نہیں کیں اور وہ جھوٹ باندھتا ہے اس سے آگے لوگ حدیث سنتے ہیں اور انہوں نے اسے مومن مخلص گمان کرکے اسے آگے روایت کردیا اسے یہ روایت لوگوں کے درمیان مشہور ہوگئی۔

اوّلاً: صاحب کتاب نے اپنے اصول کو ثابت کرنے کے لیے قول علی رضی اللہ عنہ کا سہارا لیا ہے۔ یہ قول من گھڑت اور موضوع ہے۔ اہل السنۃ والجماعت کی کسی بھی معروف کتاب میں یہ قول مروی نہیں ہے۔ البتہ روافض اور شیعہ کی کتب میں یہ قول مل سکتا ہے۔ بڑی چھان بین کے بعد اس قول سے ملتا جلتا قولِ علی رضی اللہ عنہ شیعہ حضرات کی معتبر کتاب میں مل گیا۔ وللہ الحمد۔ ملاحظہ ہو: مرآة العقول في اخبار آل الرسول، لعلامه محمد باقر المجلسي، ج ا، ص ۲۱۰، کتاب نقل العلم، باب اختلاف الحديث، ط: دارالكتب الإسلامية، تهران ايران، طبع ثاني ۱۳۰۴ ھ۔

اور لطف کی بات یہ ہے، حاشیہ میں مذکور ہے: ''ضعيف على المشهور: ۱/ ۲۱۰''

ثانیاً: مذکور قول میں راویوں کی تقسیم باطل ہے۔ اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص ہورہی ہے ایسے اقوال سن کر روافض اور منکرین حدیث پاکباز صحابہ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔

ثالثاً: اس قول میں دوسری قسم جو بیان ہوئی ہے کہ بدوی صحابی بعض الفاظِ رسول ﷺ سنتا ہے اور اسے پہچان نہیں پاتا اور اپنے قبیلہ میں جاکر روایت بالمعنی بیان کردیتا ہے۔ اور معنی بدل دیتا ہے یہ بات بھی غلط ہے۔

اصل میں صاحب کتاب اس سے فقہ راوی کی شرط ثابت کرنا چاہتا ہے کہ بدوی صحابی میں نعوذ باللہ فقہ کی اہلیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کی روایت بالمعنی صحیح نہیں ہوگی۔

بڑی افسوس کی بات ہے کہ بدوی صحابی رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتحقیر کی جارہی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ امکان ہی نہیں کہ وہ روایت بالمعنی میں ایسی غلطی کریں۔ جس سے حدیث کا مقصود فوت ہوجائے۔ جو لوگ رسولِ اکرم ﷺ کے الفاظ ضبط کرنے کی کوشش کرتے تھے، کیسے ممکن ہے کہ معنی ادا کرنے میں وہ غلطی کریں؟ اور وہ لوگ اہل زبان تھے، ان سے ادائے معنی میں غلطی کا احتمال کہاں سے ہوسکتا ہے؟

صاحب دراسات اللبیب امام ابن ہمام رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ السَّلَفِ اِشْتِرَاطُ الْفِقْهِ مِنَ الرَّاوِيْ فَثَبَتَ أَنَّهُ قَوْلٌ مُسْتَحْدَثٌ بِمِثْلِ هٰذَا لَا يُنْسَبُ إِلٰى أَبِيْ حَنِيْفَةَ۔ [دراسات اللبيب، ص: ۳۱۶]

''فقہ راوی کی شرط ائمہ سلف میں سے کسی سے بھی منقول نہیں، پس ثابت ہوا کہ یہ قول من گھڑت ہے، ایسا قول امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔''

حقیقت یہی ہے کہ حدیث کی صحت میں فقہ راوی کو کوئی دخل نہیں فقہ راوی کا مسئلہ معتزلہ کی طرف سے آیا ہے۔ جس طرح پہلے معلوم ہوچکا ہے۔

رابعاً: منافق جس کا نفاق معلوم نہ ہوسکا، یہ بات بھی حد درجہ کی گھٹیا ہے۔ نزولِ وحی کا زمانہ ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ یہ منافق ہے یا مومن ہے؟

عقل مند آدمی اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ بعض راوی منافق تھے اور ان کا نفاق معروف نہ تھا۔ حالاں کہ قرآن مقدس نے منافقین کا پول کھولا ہے اور اسی طرح نبی مکرم ﷺ نے بھی منافقین کے بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ کیا تھا۔

بعض غزوات میں منافقین کا پیچھے رہ جانا اور کامل ایمان والے صحابہ کا غزوات میں شریک ہونا واضح دلیل ہے کہ منافقین معلوم تھے۔

اگر صحابہ کرام کے بارے منافق کا لفظ بولا گیا ہے تو پھر یہ حد درجہ کی بے شرمی ہے۔ یہ رافض کا خیال تو ہوسکتا ہے۔

اہل السنۃ والجماعت کے کسی فرد کا یہ عقیدہ نہیں ہوسکتا کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام میں منافقین بھی تھے۔

قول علی رضی اللہ عنہ نقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کتاب روافض اور معتزلہ سے متاثر ہے۔

خامساً: صاحب کتاب نے جو اصول وضع کیا ہے کہ خبر واحد پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن اور سنت مشہورہ کے مخالف نہ ہو۔ یہ اصول گزشتہ من گھڑت حدیث اور موضوع قول علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا بیان کردہ اصول درست نہیں ہے کوئی حدیث بھی قرآن کے مخالف نہیں ہوتی جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

وَلَيْسَ يُخَالِفُ الْحَدِيْثُ الْقُرْآنَ، وَلٰكِنْ حَدِيْثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُبَيِّنُ مَعْنٰى مَا أَرَادَ خَاصًّا وَعَامًّا، وَنَاسِخًا وَمَنْسُوْخًا۔ [دیکھو: مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة، ص:۲۲]

''حدیث قرآن کی مخالفت نہیں کرتی اور لیکن حدیث رسولؐ اس معنی کو واضح کرتی ہے جو انہوں نے خاص وعام اور ناسخ ومنسوخ مراد لیا ہوتا ہے۔''

حقیقت بھی یہی ہے کہ حدیث مبارک قرآنِ مقدس کے مخالف نہیں ہے۔ انہی اصولوں کو پکڑ کر منکرین حدیث احادیث مبارکہ کے بارے یاوہ گوئی کرتے ہیں اور محدثین کرام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ دراصل یہ ان کی عقل کا تصور اور فہم سقیم کا نتیجہ ہے۔ لقد صدق الشاعر۔

وَكَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِيْحًا
وَ آفَتُهٗ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيْمِ

''اور کتنے ہی صحیح قول میں عیب جوئی کرنے والے ہوتے ہیں، ان کی اصل مصیبت کمزور سمجھ ہے!''

خلاصہ تحقیق:

① ......نقل روایت میں فقہائے کرام اور ائمہ اصول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

② ......اصولِ فقہ کی تشکیل میں متکلمین اور معتزلہ کا کافی عمل دخل ہے۔

③ ......اصولِ فقہ کی کتابوں میں فتنہ اعتزال کا کافی اثر ہے۔

④ ......فقہ راوی اور خبر واحد کی ظنیت کا مسئلہ بھی اعتزال کی راہ سے آیا ہے۔

⑤ ......راوی کی فقیہ اور غیر فقیہ کی طرف تقسیم کرنا باطل ہے۔

⑥ ......تُكْثَرُ لَكُمُ الْأَحَادِيْثُ الخ والی روایت من گھڑت ہے۔

⑦ ......قول علی رضی اللہ عنہ شیعہ وروافض کی طرف سے آیا ہے اور یہ موضوع ہے۔

⑧ ......قولِ علی رضی اللہ عنہ بیان کردہ روات کی اقسام باطل ہے۔

⑨ ......قولِ علی رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام کی تنقیص وتحقیر ہورہی ہے۔

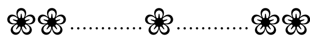
⑩ ......صحابہ کرام سے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ روایت بالمعنی میں غلطی کریں۔

⑪ ......صحت حدیث میں فقہ راوی کو کوئی دخل نہیں۔

⑫ ......خبر واحد کے متعلق بیان کردہ اصول باطل ہے، لا اصل لہ

⑬ ......کوئی بھی حدیث صحیح قرآن مقدس کے مخالف نہیں ہے۔

⑭ ......حدیث ومحدثین کے بارے ہفوات کرنے والا ملحد ہے۔



معاشیات

اسلام اور خرید و فروخت کے زریں اصول!

حافظ ذوالفقار علی (شیخ الحدیث ابو ہریرہ شریعہ کالج لاہور)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی معاشرہ کے معاشی اور مالی معاملات مناسب اصول وضوابط کے پابند نہ ہوں تب تک اس معاشرہ کی منصفانہ تشکیل ممکن نہیں۔ اسلام جوں کہ منصفانہ معاشرہ قائم کرنے کا داعی ہے اس لیے اسلام نے لین دین اور تجارتی تعلقات کے متعلق نہایت عمدہ اور جامع اصول عطا کیے ہیں جن کی روشنی میں ہم اپنی معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کر سکتے ہیں۔

معیشت وتجارت کے حوالہ سے دین اسلام کا ایک نمایاں وصف ہے کہ یہ نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح لوگوں کو کھلی چھٹی دیتا ہے اور نہ ہی کمیونزم اور سوشلزم کی طرح آہنی زنجیروں میں جکڑتا ہے۔ بلکہ اس کا رویہ اعتدال پر مبنی ہے کہ جہاں اپنے ماننے والوں کو تجارت کے ذریعے کسب مال کی ترغیب دیتا ہے وہاں رہنما اصول بھی پیش کرتا ہے جن کو ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے۔ ان اصولوں کی پابندی کر کے جو بھی لین دین کیا جائے وہ شریعت کی نگاہ میں جائز تصور ہوگا خواہ وہ دور جدید کی ہی پیداوار ہو، یعنی اسلام کا رویہ معتدل ہونے کے ساتھ ساتھ جامع اور لچک دار بھی ہے جو ہر دور کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام جہاں معاشی ترقی کا خواہاں ہے وہاں دینی، روحانی اور اخلاقی ہدایات کا معلم بھی ہے جن کی خلاف ورزی کر کے فلاحی نظامِ معیشت کا قیام ممکن نہیں، اس لیے اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان حصول مال کی خاطر بے مہار ہو جائے اور حلال وحرام کا امتیاز ہی ختم کر دے۔ کیوں کہ اس طرح معاشی بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ اس لیے اسلامی ریاست میں ان لوگوں کو کاروبار کی اجازت نہیں ہے جو ان احکام سے واقف نہ ہوں جو اسلام نے تجارت کے سلسلے میں دیئے ہیں۔ چناں چہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

لَا یَبِعُ فِیُ سُوُقِنَا اِلَّا مَنُ تَفَقَّهَ فِی الدِّیُنِ ۔ [جامع ترمذی، ابواب الوتر، باب ما جاء فی فضل الصلاة علی النبی]

''ہمارے بازاروں میں وہی خرید وفروخت کرے جسے دین (تجارتی احکام) کی سمجھ ہو۔''

تیرھویں صدی ہجری کے مالکی فقیہ محمد بن احمد الرھونی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۳۰ھ) نے اپنے شیخ ابو محمد رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

''کہ انہوں نے مراکش میں محتسب کو بازاروں میں گشت کرتے دیکھا جو ہر دکان کے پاس ٹھہرتا اور دکان دار سے اس کے سامان سے متعلق لازمی احکام کے بارہ میں پوچھتا اور یہ دریافت کرتا کہ ان میں سود کب شامل ہوتا ہے اور وہ اس سے کیسے محفوظ رہتا ہے۔ اگر وہ صحیح جواب دیتا تو اس کو دکان میں رہنے دیتا اور اگر اسے علم نہ ہوتا تو اسے دکان سے نکال دیتا اور کہتا تیرے لیے مسلمانوں کے بازار میں بیٹھنا ممکن نہیں تو لوگوں کو سود اور ناجائز کھلائے گا۔'' [اوضح المسالك بحواله بحوث فقهية فی قضايا اقتصادية معاصرة، ج:۱، ص:۱۴۵]

اسلامی تعلیمات سے ناآشنا بعض حلقے یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ معیشت وتجارت کے بارہ میں اسلامی احکام پر عمل کرنے سے ہمارا سارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا اور ہم معاشی اعتبار سے بہت پیچھے رہ جائیں گے، مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ حقیقی اور دیرپا ترقی کے لیے تجارتی سرگرمیوں کو مناسب اصول وضوابط کے دائرہ میں رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ حقیقت پسند ماہرین کے نزدیک موجودہ معاشی بحران کا

بنیادی سبب معاشی سرگرمیوں کا اخلاقی قیود اور پابندیوں سے مستثنیٰ ہونا ہے۔ مارکیٹ کو اخلاقی ضوابط کا پابند بنا کر معیشت میں بہتری پیدا کی جاسکتی ہے۔

اور اگر یہ ناقدین اسلام کے تجارتی احکام کا حقیقت پسندی سے جائزہ لیں تو خود گواہی دیں گے کہ اسلامی طریقہ تجارت میں شتر بے مہار آزادی، ہوس، مفاد پرستی اور خود غرضی کو کنٹرول کرنے کا شان دار میکانزم موجود ہے اور یہی وہ خرابیاں ہیں جو معاشرے کے اجتماعی مفادات پر اثر انداز ہوتیں ہیں اور معاشی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کا باعث بنتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اکثر وبیشتر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تجارت پیشہ تھے اور ان کی تمام کاروباری سرگرمیاں شریعت کے تابع ہی ہوتی تھیں مگر اس کے باوجود انہوں نے معاشی میدان میں بے مثال ترقی کی، ہر طرف مال ودولت کی فراوانی، آسودگی اور خوش حالی عام تھی۔ وسیع اسلامی مملکت میں کوئی زکوٰۃ قبول کرنے والا نہ ملتا تھا، معاشی اعتبار سے کمزور ترین افراد بھی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہو گئے تھے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ معاشی ترقی کے لیے بے قید آزادی ناگزیر نہیں بلکہ یہ مقصد حدود وقیود کے اندر رہ کر بھی بخوبی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لین دین کے وہ کون سے احکام ہیں جو شریعت کی رو سے لازمی اور واجب التعمیل ہیں، ذیل میں اس کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

بیع کا تعارف:

مناسب ہوگا خرید وفروخت کے متعلق احکام شرعیہ بیان کرنے سے قبل بیع کا مفہوم واضح کر دیا جائے۔ کیوں کہ کتب حدیث میں لین دین کے معاملات اور ان سے متعلقہ احکام بالعموم کتاب البیوع کے تحت ذکر ہوتے ہیں۔ قرآن نے بھی ان معاملات کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی ہے جب کہ ہمارے معاشرے میں بھی خرید وفروخت کے معاہدے بیع نامہ کے نام سے ہی تحریر ہوتے ہیں۔

بیع کا معروف معنی ہے ''بیچنا'' لیکن یہ خریدنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں اشیاء کا لین دین اشیاء کے بدلے ہی ہوتا تھا یعنی بارٹر سسٹم رائج تھا اس طریقہ میں ہر شخص گویا فروخت کنندہ بھی ہوتا تھا اور خریدار بھی، اس سے بیع کے لفظ میں دونوں معنی پیدا ہو گئے۔

علمائے شریعت کے نزدیک لین دین کے وہ تمام معاملات جو کسی معاوضہ کی اساس پر طے پاتے ہیں بیع کہلاتے ہیں۔ اس لیے بیع کا شرعی مفہوم یوں بیان کیا جاتا ہے:

والبیع نقل ملك الی الغیر بثمن ۔ [فتح الباری، ج:٤، ص:٣٦٤]

''بیع کا معنی ہے قیمت کے عوض چیز کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل کرنا۔''

ملکیت کی منتقلی تو سودی معاملات میں بھی ہوتی ہے مگر ان کو بیع نہیں کہا جاتا۔ ایسے ہی قرض کا لین دین بھی بیع میں داخل نہیں۔ کیوں کہ قرض کا مقصد قرض لینے والے کے ساتھ احسان کرنا ہے نہ کہ قیمت وصول پانا۔ واضح رہے بیع میں ملکیت کی منتقلی دائمی ہونی چاہیے۔

بیع اور تجارت کا باہمی فرق:

بیع کے مقابلہ میں تجارت کا مفہوم ذرا محدود ہے۔ تجارت کا مطلب ہے Trade یعنی کوئی چیز اس غرض سے خریدنا تا کہ اسے بیچ کر نفع حاصل کیا جائے خواہ بعد میں نفع ہو یا نقصان۔ جب کہ بیع کا لفظ وسیع تر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ خرید وفروخت کی دو قسمیں ایسی ہیں جو بیع تو ہیں مگر تجارت میں شامل نہیں۔

① ...... ذاتی استعمال کے لیے چیز خریدنا، یہ بیع ہے لیکن تجارت نہیں۔ کیوں کہ اس کا محرک نفع کا حصول نہیں بلکہ اپنی ضرورت ہے۔

② ...... کسان کا اپنی فصل یا مینوفیکچرر کا اپنی مصنوعات بیچنا بیع تو ہے مگر تجارت نہیں۔ کیوں کہ یہ دونوں کسی سے چیز خرید کر نہیں بیچتے بلکہ خود پیدا یا تیار کرتے ہیں۔ تجارت تب ہی ہوگی جب چیز ایک سے خرید کر دوسرے کو بیچی جائے۔

بیع کی قسمیں:

مختلف اعتبار سے بیع کی مختلف قسمیں ہیں، جو چیز بطور قیمت دی

جائے اس کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

① ...... چیز کا تبادلہ چیز کے ساتھ ہو، مثلاً گندم کے بدلے چاول یا زمین دے کر مکان لینا۔ اس کو بارٹر سیل (اَلْمُقَایَضَۃُ) کہتے ہیں۔

② ......روپے پیسے کے بدلے کوئی چیز خریدنا، یہ صورت بغیر کسی قید کے بیع مطلق کہلاتی ہے۔ کیوں کہ عموماً خرید وفروخت اسی طرح ہوتی ہے۔

③ ......نقدی کے بدلے نقدی کا لین دین، اس کو بیع الصرف یعنی منی چینجز کا کاروبار کہتے ہیں۔

④ ......ایک طرف کسی چیز کا حق استعمال یا کسی شخص کی محنت ہو خواہ وہ محنت جسمانی ہو یا ذہنی اور دوسری طرف اس کا معاوضہ تو اس کے لیے اِجارہ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ جس کا معنی ہے کرایہ داری اور محنت مزدوری کا معاملہ۔ اس کے احکام علیحدہ بیان کیے جائیں گے۔

قیمت کی ادائیگی کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں۔

خریدی گئی چیز کی حوالگی اور قیمت کی ادائیگی دونوں نقد ہوں تو اس کو نقد خرید وفروخت اور اگر چیز کی سپردگی تو فوری ہو مگر قیمت کی ادائیگی مستقبل کی کسی تاریخ پر طے ہو تو اسے ادھار خرید وفروخت (بیع مُؤَجَّل) کا نام دیتے ہیں۔ جب قیمت کی مکمل ادائیگی تو پیشگی کر دی جائے لیکن چیز کی حوالگی کے لیے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہو تو اس کو ''بیع سلم'' کہتے ہیں جو کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اگر قیمت کی ادائیگی اور چیز کی سپردگی دونوں ادھار ہوں تو اس کو حدیث میں بَیْعُ الْکَالِئِ بِالْکَالِئِ کہا گیا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

فائدہ: بعض اوقات مشتری فوری ادائیگی کی بجائے یہ کہہ دیتا ہے کہ پیسے بعد میں دوں گا، بعد میں کب دوں گا یہ طے نہیں ہوتا۔ یہ صورت ادھار میں شامل نہیں بلکہ نقد کی ہی ایک شکل ہے جس میں فروخت کنندہ کچھ رعایت دے دیتا ہے۔ اس میں اور ادھار میں فرق ہے، وہ یہ کہ ادھار میں مقررہ مدت سے قبل ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا جب کہ اس میں فروخت کنندہ جب چاہے تقاضا کر سکتا ہے، اگر چہ وہ اپنی مرضی سے جب تک چاہے تاخیر کرتا رہے لیکن اسے بیع کے فوری بعد مطالبے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

قیمت فروخت کے لحاظ سے بھی بیع کی مختلف قسمیں ہیں۔

(۱)......مساومہ:

یہ خرید وفروخت کی ایک عام قسم ہے جس میں فروخت کنندہ اپنی قیمت خرید یا لاگت ظاہر کیے بغیر کسی بھی قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ مساومہ کا معنی ہے ''بھاؤ تاؤ'' اس میں چوں کہ فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان قیمت کا تعین بھاؤ تاؤ کے ذریعے ہوتا ہے فروخت کنندہ اپنی لاگت بتانے کا پابند نہیں ہوتا اس لیے اسے مساومہ کہتے ہیں۔ جہاں فروخت کنندہ ان اشیاء کی لاگت کا صحیح اندازہ لگا سکتا ہو جو وہ فروخت کرنا چاہتا ہو وہاں مساومہ ایک مثالی طریقہ ہو سکتا ہے۔

(۲)......نیلام:

فروخت کنندہ یوں کہے جو مجھے زیادہ قیمت دے گا میں یہ چیز اس کو بیچ دوں گا۔ یہ بھی اصل میں مساومہ کی ہی ایک قسم ہے جس میں فروخت کنندہ ایک متعین قیمت طلب کرنے کی بجائے خریداری کے خواہاں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ قیمت لگائیں جس کی بولی زیادہ ہوگی اس کے ساتھ بیع منعقد ہو جائے گی۔

اس کے مقابلے میں ٹینڈر (مناقصہ) پر خریداری ہے جس میں خریدار یہ کہتا ہے کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے جو کم قیمت پر مہیا کرے گا میں اس سے لوں گا۔ یہ جدید صورت ہے جس کا قدیم فقہی ذخیرہ میں تذکرہ نہیں ملتا تاہم اس کا بھی وہی حکم ہے جو نیلام کا ہے۔

(۳)......مُرابَحَہ:

مرابحہ سے مراد ہے کہ فروخت کنندہ کوئی چیز اس وضاحت کے ساتھ بیچے کہ اس پر میری یہ لاگت آئی ہے اور اب میں اتنے منافع کے ساتھ فلاں قیمت پر آپ کو بیچتا ہوں۔ مرابحہ کا معنی ہے ''نفع پر بیچنا'' مرابحہ میں قیمت نقد بھی ہو سکتی ہے اور ادھار بھی۔ فروخت کنندہ کی جانب سے مشتری کو اپنی لاگت اور اس میں شامل منافع سے آگاہ کرنا ہی وہ نکتہ ہے جو مرابحہ کو مساومہ سے الگ کرتا ہے۔

(۴)......تَوْلِیَه:

جب فروخت کنندہ کوئی چیز نفع ونقصان کے بغیر لاگت قیمت پر ہی فروخت کرے تو اس کو بیع تولیہ کہتے ہیں۔تولیہ کا لغوی معنی ہے ''والی بنانا'' فروخت کنندہ چوں کہ نفع حاصل کیے بغیر ہی خریدار کو چیز کا مالک بنا دیتا ہے اس لیے اس کو تولیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

(۵)......وَضْعِیَّه:

وضعیہ کا معنی ہے قیمت خرید سے کم پر بیچنا، یعنی خسارے کا سودا۔

آخری تین قسموں میں چوں کہ فروخت کنندہ اپنی قیمت خرید یا لاگت بتا کر سودا کرتا ہے اور خریدار اس پر اعتماد کرتا ہے اس لیے ان کو ''بیوع الامانۃ'' امانت داری پر مبنی بیوع کا نام دیا جاتا ہے۔

خرید وفروخت کی اجازت کا فلسفہ:

یہ بات مسلم ہے کہ خرید وفروخت ہمیشہ سے انسانی زندگی کا لازمی حصہ رہا ہے اس لیے کہ یہ انسان کی فطری ضرورت ہے، جس کے بغیر اس کی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں کیوں کہ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی لحاظ سے دوسروں کا دست نگر ہے، یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے استعمال کی تمام اشیاء خود ہی پیدا یا تیار کرلے۔ مثلاً ایک شخص کسان ہے جو اپنی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود ہی کھیتی باڑی کرتا ہے مگر زرعی آلات، لباس اور رہائش کے سلسلے میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے ''الانسان مدنی بالطبع'' انسان اپنی حاجات وضروریات کے لیے ہر آن دوسروں کا محتاج ہے۔جب ہر شخص کی ضرورتیں دوسروں کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں تو پھر خرید وفروخت کے معاملات ناگزیر ہیں۔

اگر خرید وفروخت کا سلسلہ نہ ہوتا تو نظام حیات درہم برہم ہو جاتا، انسانیت اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہوجاتی، انسان ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے یا تو چوری اور لوٹ مار کا سہارا لیتا جس سے نہ صرف لوگوں کے اموال خطرات میں پڑ جاتے بلکہ خونریزی کا بازار بھی گرم ہوتا یا دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے پر مجبور ہوتا جو کہ باعث ذلت ہے اور بسا اوقات مالک معاوضہ کے بغیر دینے پر آمادہ بھی نہیں ہوتا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ خاص لطف وکرم فرمایا کہ انہیں اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے نہ صرف خرید وفروخت کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ اس کے متعلق احکام وہدایات دے کر ثواب اور اپنے قرب کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

تجارت کی فضیلت:

ایک دوسرے کے ساتھ اشیاء کا تبادلہ چوں کہ انسانی معاشرہ کی بنیادی ضرورت ہے اس لیے قرآنِ حکیم اور احادیث نبوی ﷺ میں بڑے شوق آفرین انداز میں خرید وفروخت کے ذریعے کسب مال کی ترغیب دی گئی ہے۔قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر تجارت کے ذریعے حاصل ہونے والے فوائد کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے۔ حج کے معاشی اور تجارتی پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾ [البقرۃ:۱۹۸]

''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (تجارت کے ذریعے) اپنے ربّ کا فضل تلاش کرو۔پھر جب تم عرفات سے واپس آ ؤ تو مشعرِ حرام (مزدلفہ میں ایک پہاڑی) کے پاس اللہ کو یاد کرو۔اور اس کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے بلاشبہ اس سے پہلے تم ناواقف تھے۔''

حج کے دنوں میں جب سارے عرب سے لوگ مکہ مکرمہ میں حاضر ہوتے تو بازار مال تجارت سے بھر جاتے اور خرید وفروخت کا تانتا بندھا رہتا جیسا کہ آج کل بھی ہوتا ہے۔بعض مسلمان احتیاط کے پیش نظر دورانِ حج تجارت سے اجتناب کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ربّ کے فضل سے مراد یہاں تجارت اور کاروبار ہے یعنی دورانِ حج مالی، تجارتی اور معاشی فوائد حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیوں کہ یہ اللہ کا فضل تلاش کرنے کے مترادف ہے بشرط کہ حج کے مناسک متاثر نہ ہوں۔

ایک اور جگہ نمازِ جمعہ کے بعد تجارت کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

[الجمعة: ۱۰]

''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہ کثرت یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔''

یہاں بھی اللہ کا فضل تلاش کرو سے مراد کسب مال ہے جس میں خرید و فروخت بھی شامل ہے گویا تجارت محض دنیاوی کام نہیں جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ اللہ کا فضل تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر کاروبار میں اسلامی احکام کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ کاروبار بھی اللہ کے قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقامات پر بھی تجارت اور مال کو اللہ کے فضل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سید الانبیاء ﷺ نے بعثت سے قبل خود بھی تجارت کی اور صحابہ کو بھی اس کی ترغیب دیتے چناں چہ اکثر و بیشتر صحابہ کرام تجارت ہی کرتے تھے۔ احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تجارت کو بہت معزز پیشہ قرار دیا گیا اور دیانت دار تاجر کا بڑا مرتبہ تسلیم کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں سرورِ کائنات ﷺ نے سچے اور دیانت دار تاجر کو جنت میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کی رفاقت کی بشارت سنائی ہے۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ ۔ [سنن ترمذی باب ماجاء فی التجار وقال هذا حديث حسن]

''راست باز اور امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کسب معاش کا بہترین اور باعث برکت ذریعہ کون سا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ ۔

[مسند احمد: ۱۷۷۲۸]

''انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر بیع مبرور۔''

یعنی بہترین پیشہ وہ ہے جس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے محنت کرنی پڑے یا پھر ایسی تجارت جس میں امانت و دیانت کی روح کارفرما ہو۔ ثابت ہوا تجارت بابرکت ذریعہ معاش ہے تاہم اس میں دنیا ہی مدنظر نہیں ہونی چاہیے بلکہ آخرت کی فلاح بھی مطلوب ہے اس لیے یہ شریعت کے تابع ہونی چاہیے۔ جو خرید و فروخت شریعت کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر کی جائے اس کو بیع مبرور کہتے ہیں۔ یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام ہماری معاشی سرگرمیوں کو ایک نظم و نسق کے تحت دیکھنا چاہتا ہے۔

خرید و فروخت کے متعلق بنیادی ہدایات:

خرید و فروخت کا جو معاملہ بھی ہو اس میں تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

① ...... معاملہ کرنے والے فریقین

② ...... وہ چیز جس کا سودا کیا جا رہا ہو

③ ...... چیز کی قیمت

شریعت نے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایات دی ہیں۔

فریقین کے لیے ہدایات

معاملہ باہمی رضامندی سے طے پانا چاہیے:

بیع کی شرط اوّل یہ ہے کہ فریقین کا نہ صرف ذہنی توازن درست ہو اور وہ معاملات کی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سودے پر یکساں طور پر رضامند ہوں۔ چناں چہ لین دین کے وہ تمام معاملات جن میں فریقین کی حقیقی رضامندی یکساں طور پر نہ پائی جاتی ہو ناجائز ہیں۔ چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ [النساء: ۲۹]

''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔ اور اپنے

نفسوں کو قتل نہ کرو بلاشبہ اللہ تمہارے ساتھ رحم کرنے والا ہے۔''

سورہ نساء کی یہ آیت تجارتی اور معاشی تعلقات کے متعلق بنیادی اصول پیش کر رہی ہے کہ وہ کاروباری اور تجارتی معاملات جن پر دونوں فریق یکساں مطمئن اور راضی نہ ہوں باطل ہیں۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ لین دین میں فریقین کی باہمی رضامندی لازم ہے۔ شریعت اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی کسی کو اپنی چیز بیچنے پر مجبور کرے یا زبردستی اپنی پسند کی قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اسلام نے ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کو یکساں محترم قرار دیا ہے۔ آنحضور ﷺ نے لاٹھی جیسی معمولی چیز کو بھی قابل حرمت قرار دیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی لاٹھی (بھی) اس کی قلبی خوشی کے بغیر لے۔''

[بلوغ المرام بحوالہ ابن حبان والحاکم]

خاص خرید وفروخت کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ہے:

إنما البيع عن تراض ۔ [ارواء الغليل، ج:٥، ص:١٢٥]

''بیع صرف باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔''

واضح رہے یہ رضامندی حقیقی ہونی چاہیے نہ کہ مصنوعی۔ لہٰذا کسی دباؤ کے تحت یا غلط تاثر کی بنیاد پر دوسرے فریق کی چیز کو حقیقت سے بےخبر یا اصل قیمت سے دھوکے میں رکھ کر حاصل کی گئی رضامندی قابل اعتبار نہیں ہے کیوں کہ یہ مصنوعی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے شریعت نے اس قسم کی دھوکہ دہی کی صورت میں متاثرہ فریق کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

اسی طرح ایک شخص اگر انتہائی بے بسی اور مجبوری کی بنا پر اپنی چیز بیچ رہا ہو تو ایسے شخص سے مارکیٹ ریٹ سے بہت کم پر خریدنا اگر چہ بظاہر وہ اس پر راضی بھی ہو نا جائز ہے۔ معمولی کمی بیشی کی تو گنجائش ہے لیکن بہت زیادہ فرق درست نہیں کیوں کہ نبی ﷺ نے قلبی خوشی کی تاکید فرمائی ہے اور یہ بات طے ہے کہ مجبور شخص خوش دلی سے غیر معمولی کم ریٹ پر بیچنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں مجبور شخص سے سستے داموں خریدنے کو ترجیح دی جاتی ہے یا ناپسندیدہ رویہ ہے جس کی اصلاح ہونی چاہیے۔

البتہ بعض صورتوں میں حکومت یا کوئی مجاز اتھارٹی مالک کو اس بات پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی چیز فروخت کرے۔

❀......پہلی صورت یہ ہے کہ مقروض اپنے ذمے قرض ادا نہ کر رہا ہو اور اس کے پاس نقد رقم بھی موجود نہ ہو تو عدالت اس کو اپنی جائیداد فروخت کر کے قرض ادا کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔ اگر وہ عدالتی حکم کے باوجود لیت ولعل سے کام لے تو عدالت قرض خواہ کی دادرسی کے لیے خود بھی اس کی جائیداد مارکیٹ ریٹ پر فروخت کر سکتی ہے۔

❀......دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے جائیداد رہن رکھ کر قرض لے رکھا ہو اور وہ متعدد مرتبہ کی یاددہانی کے باوجود ادائیگی نہ کر رہا ہو تو قرض خواہ رہن شدہ جائیداد فروخت کر کے اپنا حق وصول پا سکتا ہے، چاہے مقروض اس پر راضی نہ بھی ہو بشرطیکہ عدالت اور قرض خواہ منصفانہ قیمت پر بیچنے کو یقینی بنائیں، اپنی رقم کھری کرنے کے لالچ میں کوڑیوں کے بھاؤ بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔

❀......تیسری صورت جہاں مالک کو اپنی اشیاء فروخت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے وہ ہے جب غذائی اشیاء کی قلت ہو اور کچھ لوگ ذخیرہ اندوزی کر رہے ہوں تو حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ تاجروں کو ذخیرہ کی گئی اشیاء فروخت کرنے کا حکم دے، اگر وہ تعمیل نہ کریں تو حکومت ان کی مرضی کے خلاف خود بھی مارکیٹ ریٹ پر فروخت کر سکتی ہے، جیسا کہ الموسوعة الفقهية میں ہے۔

إذا خيف الضّرر على العامّة أجبر يل أخذ منه ما احتكره وباعه وأعطاه المثل عند وجوده أو قيمته وهذا قدر متّفق عليه بين الأئمّة ولا يعلم خلاف في ذلك ۔ [ج:٢، ص:٩٥]

''جب عوام کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو حاکم ذخیرہ اندوز کو مجبور کرے گا بلکہ اس سے ذخیرہ شدہ مال لے کر فروخت کر دے گا اور اس کو اس مال کا مثل جب موجود ہو یا اس کی قیمت دے گا۔ اتنی بات تمام ائمہ میں متفق علیہ ہے اور اس میں

کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

کسی کی چیز زبردستی لینے کی چوتھی صورت یہ ہے کہ حکومت کو عوامی مقاصد کے لیے کسی جگہ کی حقیقی ضرورت ہو اور مالکان بیچنے پر آمادہ نہ ہوں تو حکومت وہ جگہ زبردستی بھی حاصل کر سکتی ہے تاہم حکومت پر فرض ہوگا کہ مالکان کو مارکیٹ ریٹ کے حساب سے ادائیگی کرے۔ حکومت بازاری قیمت ادا کیے بغیر کسی شہری کو جائیداد سے محروم نہیں کر سکتی۔

خریدنے سے پہلے بیچنا ممنوع ہے:

نبی ﷺ نے یہ تلقین بھی فرمائی ہے کہ بیچنے والا فقط اسی چیز کا سودا کرے جس کا وہ کلی طور پر مالک بن چکا ہو۔ بعض دفعہ کاروباری حضرات کے پاس چیز موجود نہیں ہوتی مگر وہ اس امید پر سودا طے کر لیتے ہیں کہ بعد میں کہیں سے خرید کر فراہم کر دیں گے یہ منع ہے، کیوں کہ ممکن ہے مالک وہ چیز بیچنے پر آمادہ ہی نہ ہو یا وہ اس کی قیمت فروخت سے دگنی قیمت طلب کرلے اور یہ نقصان سے بچنے کے لیے خود ہی خریدنے پر تیار نہ ہو، اس طرح فریقین کے مابین تنازعات جنم لینے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا شریعت اسلامیہ نے ان کے سد باب کے لیے یہ اصول بنا دیا ہے کہ وہ متعین چیز جو فی الحال فروخت کنندہ کی ملکیت میں نہ ہو اس کا سودا نہ کیا جائے، جیسا کہ جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

''میرے پاس ایک آدمی آتا ہے وہ مجھ سے ایسی چیز کا سودا کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی کیا میں اس سے سودا کرلوں پھر وہ چیز بازار سے خرید کر اسے دے دوں۔''

آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ ۔ [سنن نسائی، باب بیع ما لیس عند البائع]

''جو (متعین) چیز تیرے پاس موجود نہیں وہ فروخت نہ کر۔''

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا سوال متعین چیز کی فروخت کے متعلق ہی تھا۔ متعین کا معنی ہے کسی مخصوص پلاٹ یا گاڑی وغیرہ کا سودا کرنا، مثلاً یوں کہنا کہ میں فلاں سکیم کا فلاں نمبر پلاٹ آپ کو اتنے میں بیچتا ہوں جب کہ وہ اس کی ملکیت نہ ہو، یہ ناجائز ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے جواب سے واضح ہے۔ لیکن اگر تعین کی بجائے صرف مخصوص صفات بیان کی جائیں مثلاً یوں کہا جائے کہ میں تمہیں اتنی مدت بعد ان صفات کی حامل فلاں چیز مہیا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں تو یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ مکمل قیمت پیشگی ادائیگی لازمی شرط ہے اس کے بغیر یہ جائز نہیں ہو سکتی۔

ملکیت سے قبل فروخت کی بعض صورتیں:

❀...... بعض ہاؤسنگ اسکیمیں اپنی ملکیتی زمین سے زیادہ تعداد میں پلاٹس کی فائلیں فروخت کر دیتی ہیں مثلاً ابھی تک اسکیم کے پاس زمین صرف ایک ہزار پلاٹس کی موجود ہے لیکن فائلیں دو ہزار پلاٹس کی بیچ دی جاتی ہیں اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ بقیہ زمین بعد میں خرید لی جائے گی۔ اس طرح اسکیم مالکان کو کچھ مدت کے لیے لوگوں کی دولت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے اور یہی جلب منفعت ان کا مطمع نظر ہوتا ہے۔ یہ طریقہ سراسر خلاف شریعت ہے کیوں کہ اسکیم نے ایک ہزار پلاٹس کی جو زائد فائلیں فروخت کی ہیں ان کی زمین ابھی اس کی ملکیت میں نہیں آئی۔ لہٰذا اسکیم مالکان کو ان کی فروخت کا حق بھی نہیں پہنچتا۔

❀...... ہمارے ہاں جائیداد کی خرید و فروخت کے مروّجہ طریقہ کار کے مطابق خریدار معاہدہ خرید کر کے کچھ رقم (بیعانہ) ادا کر دیتا ہے اور بقیہ ادائیگی کے لیے مہلت لے لیتا ہے اور معاہدے میں یہ شرائط بھی طے ہوتیں ہیں کہ اگر خریدار منحرف ہو گیا تو بیعانہ کی رقم ضبط ہو جائے گی اور اگر فروخت کنندہ اپنی بات پر قائم نہ رہا تو اس سے بیعانہ کی رقم دگنی وصول کی جائے گی۔ اور یہ بات بھی معاہدے کا حصہ ہوتی ہے کہ معاہدہ بیعانہ کرنے والا اس معاہدے کی بنیاد پر کسی تیسرے فریق کو فروخت کرنا چاہے تو مالک کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، بیعانہ دینے والا جس خریدار کا نام پیش کرے گا مالک اس کے نام ملکیت منتقل کرنے کا پابند ہوگا، بسا اوقات بیعانہ دینے والا کچھ منافع لے کر آگے فروخت بھی کر دیتا ہے۔ شرعی لحاظ سے اس طرح آگے فروخت کرنا جائز نہیں کیوں کہ معاہدہ بیعانہ کرنے والا جائیداد مذکور کا ابھی مالک نہیں بنا۔ اگر اصل مالک دگنا بیعانہ ادا کر کے منحرف ہو جائے جیسا کہ بعض اوقات ہو جاتا ہے تو ایسی

صورت میں نزاع پیدا ہوگا۔ ہاں اگر پراپرٹی مالک کے پاس منحرف ہونے کا اختیار نہ ہو یا سودا مکمل ہو چکا ہو صرف بقیہ رقم کی ادائیگی باقی ہو تو پھر آگے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مالک کے انکار کی صورت میں اس سے دگنا بیعانہ وصول کرنا شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے۔

❀......ملکیت کے بغیر فروخت کی تیسری صورت سٹاک مارکیٹ میں رائج Shot Sales کی ہے اس میں فروخت کنندہ ایسے شیئرز بیچ دیتا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہوتے لیکن اسے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ کلیئرنگ سے قبل مارکیٹ سے سستے داموں حاصل کر کے خریدار کے حوالے کر دے گا، یہ غیر ملکیتی شیئرز کی بیع ہے جو ناجائز ہے۔ اگر مارکیٹ میں مندے کی بجائے تیزی غالب رہے تو Shot Sales کرنے والوں کو اچھا خاصا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ جب بھی سٹاک مارکیٹ کسی بڑے بحران سے دوچار ہوتی ہے اس میں نمایاں کردار اسی شاٹ سیل کا ہوتا ہے۔

قبضہ سے قبل فروخت نہ کریں:

عصر حاضر میں خریدی گئی چیز کو قبضہ میں لیے بغیر آگے فروخت کرنے کا عام رواج ہے بالخصوص درآمدات میں سامان منزل مقصود پر پہنچنے سے قبل کئی جگہ فروخت ہو چکا ہوتا ہے اور ظاہر ہے ہر خریدار کچھ منافع رکھ کر ہی آگے فروخت کرے گا اس لیے مارکیٹ پہنچتے پہنچتے اس چیز کی قیمت بڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک معاشی نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ بار برداری کے شعبہ سے وابستہ مزدوروں کا روزگار متاثر ہوتا ہے۔ یہ شریعت مطہرہ کے محاسن میں سے ہے کہ اس نے یہ قانون بنا دیا ہے جب کسی چیز کا سودا طے پا جائے اور خریدار اس کو آگے فروخت کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے وہ اسے قبضہ میں لے کر کسی دوسری جگہ منتقل کر دے، اسی جگہ فروخت کرنا منع ہے۔ چناں چہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ ۔ [صحيح البخاری، كتاب البيوع باب بيع الطعام قبل ان يقبض]

''جو غلہ خریدے وہ قبضہ سے قبل فروخت نہ کریں۔''

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كُنَّا فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَبْتَاعُ الطَّعَامَ فَيَبْعَثُ عَلَيْنَا مَنْ يَأْمُرُنَا بِانْتِقَالِهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِيْ ابْتَعْنَاهُ فِيْهِ إِلٰى مَكَانٍ سِوَاهُ قَبْلَ أَنْ نَبِيْعَهُ ۔ [صحيح مسلم، كتاب البيوع باب بطلان بيع المبيع قبل القبض]

''ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں غلہ خریدتے تو آپ ہمارے پاس ایک شخص کو بھیجتے جو ہمیں حکم دیتا کہ ہم بیچنے سے قبل جہاں سے خریدا ہے وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جائیں۔''

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نَهٰى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ حَتّٰى يَحُوْزَهَا التُّجَّارُ إِلٰى رِحَالِهِمْ ۔ [سنن ابی داؤد، باب فی بيع الطعام قبل ان يستوفی]

''رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ سامان کو وہاں بیچا جائے جہاں سے خریدا گیا تھا حتی کہ تاجر اسے اپنے مقامات پر منتقل کر لیں۔''

جو تاجر اس حکم کی تعمیل نہ کریں ان کے خلاف تادیبی کارروائی بھی کی جا سکتی ہے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ الطَّعَامَ مُجَازَفَةً يُضْرَبُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَبِيْعُوْهُ حَتّٰى يُؤْوُوْهُ إِلٰى رِحَالِهِمْ ۔ [صحيح البخاری، باب ما يذكر فی بيع الطعام]

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تخمینے سے اناج خریدنے والوں کی پٹائی ہوتی دیکھی یہاں تک کہ وہ اس کو اٹھا کر اپنے ٹھکانوں میں منتقل کر دیں پھر فروخت کریں۔''

ان مذکورہ احادیث کی روشنی میں ثابت ہوا کہ تاجروں کے لیے یہ جائز نہیں کہ منقولی اشیاء اپنی تحویل میں لے کر دوسری جگہ منتقل کیے بغیر فروخت کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ چیز اٹھائے بغیر شرعی قبضہ ثابت نہیں ہوتا۔ چناں چہ شارح بخاری علامہ ابن حجر رحمہ اللہ

لکھتے ہیں:

وَيُعْرَفُ مِنْ ذٰلِكَ أَنَّ اِخْتِيَارِ الْبُخَارِيِّ أَنَّ اِسْتِيْفَاءَ الْمَبِيْعَ الْمَنْقُوْلِ مِنَ الْبَائِعِ وَتَبْقِيَتَهُ فِيْ مَنْزِلِ الْبَائِعِ لَا يَكُوْنُ قَبْضًا شَرْعِيًّا حَتّٰى يَنْقُلَهُ الْمُشْتَرِيْ إِلَى مَكَانٍ لَا اِخْتِصَاصَ لِلْبَائِعِ بِهِ۔ [فتح الباری، ج:٤، ص:٣٣٤]

''اس سے پتا چلتا ہے کہ امام بخاری کا نقطہ نظر یہ ہے کہ منقولی چیز کو فروخت کنندہ سے وصول پانا اور اسے فروخت کنندہ کے ٹھکانے پر ہی رکھ چھوڑنا شرعی قبضہ نہیں ہے تا آنکہ خریدار اسے ایسی جگہ لے جائے جو فروخت کنندہ کے لیے مخصوص نہ ہو۔''

ممانعت کا سبب کیا ہے؟

نامور تابعی حضرت طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قبضہ سے قبل فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

ذَاكَ دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمَ وَالطَّعَامُ مُرْجَأٌ۔ [صحیح بخاری، باب ما یذکر فی بیع الطعام]

''یہ درہم کے بدلے درہم کا لین دین ہے جبکہ غلہ وہیں پڑا ہوا ہے۔''

یعنی سودی لین دین کے مشابہ ہونے کی بنا پر ناجائز ہے اس کی توضیح یوں ہے مثلاً خالد نے ایک لاکھ کی گندم خریدی اور وہاں سے منتقل کیے بغیر ایک لاکھ دس ہزار میں فروخت کر دی تو گویا اس نے رقم دی اور رقم ہی لی اور اس پر نفع کمایا، عملی طور پر کوئی خدمت انجام نہیں دی۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی علت کی تحسین فرمائی ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا التَّعْلِيْلُ أَجْوَدُ مَا عُلِّلَ بِهِ النَّهْيُ؛ لِأَنَّ الصَّحَابَةَ أَعْرَفُ بِمَقَاصِدِ الرَّسُوْلِ ﷺ۔ [نیل الاوطار باب نهی المشتری عن بیع ما اشتراه قبل قبضه]

''ممانعت کی باقی وجوہ کی نسبت یہ وجہ بہترین ہے کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے مقاصد کو بہتر جانتے ہیں۔''

امام ابن قیم رحمہ اللہ ممانعت کی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو قبضہ مکمل ہوا ہے اور نہ ہی فروخت کنندہ سے اس کا تعلق ختم ہوا ہے۔ لہٰذا جب وہ دیکھے گا کہ خریدار کو اس سے خوب نفع حاصل ہو رہا ہے تو وہ معاملہ فسخ کرنے اور قبضہ نہ دینے کا سوچ سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے فسخ کے لیے بات ظالمانہ حیلے، جھگڑے اور عداوت تک جا پہنچے جیسا کہ واقعات اس کے شاہد ہیں۔ چناں چہ حکمت پر مبنی شریعت کاملہ کی یہ خوبی ہے کہ اس نے خریدار پر یہ پابندی لگا دی ہے کہ جب تک خریدی گئی چیز پر قبضہ مکمل نہ ہو جائے اور فروخت کنندہ سے اس کا تعلق ختم نہ ہو اور اس سے چھڑا نہ لی جائے وہ اس میں تصرف نہ کرے تا کہ وہ بیع فسخ کرنے اور قبضہ نہ دینے کا سوچ نہ سکے۔ یہ وہ فوائد ہیں جن کو شارع نے نظر انداز نہیں کیا، حتیٰ کہ وہ تاجر بھی انہیں مدنظر رکھتے ہیں جن کو شریعت کا علم نہیں کیوں کہ ان کے خیال میں مصلحت بھی اسی میں ہے اور خرابیوں کا سدباب بھی اسی طرح ہوسکتا ہے۔''

[تہذیب، ج:۵، ص:۱۳۷]

اس کا مطلب یہی ہے کہ جب تک خریدار فروخت کنندہ کے قبضہ سے مال چھڑا کر اپنے قبضہ میں نہیں لے لیتا آگے فروخت نہ کرے تا کہ نزاع کا خطرہ نہ رہے۔ کیوں کہ جب تک خریدار چیز اپنے قبضہ میں نہیں لیتا اس بات کا اندیشہ باقی رہتا ہے کہ فروخت کنندہ زیادہ نفع کے لالچ میں وہی چیز کسی اور کو فروخت نہ کر دے۔

بعض اہل علم کے نزدیک جب بیچی گئی چیز کے نقصان کی ذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہو جائے اور اس کے اختیار پر کوئی قدغن باقی نہ رہے تو قبضہ متحقق ہو جاتا ہے حقیقی طور پر چیز کو منتقل کرنا ضروری نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں ہے:

لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ وَلَا رِبْحُ مَا

لَـمْ يُضْمَنْ وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ ۔ [سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراهية بيع ماليس عندك]

’’قرض اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں اور جس چیز کے نقصان کی ذمہ داری نہ لی گئی ہو اس کا منافع جائز نہیں اور نہ ہی اس چیز کی بیع درست ہے جو تیرے پاس موجود نہ ہو۔‘‘

ان حضرات کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں:

’’جس چیز کے نقصان کی ذمہ داری نہ لی گئی ہو اس کا منافع جائز نہیں۔‘‘

ان حضرات کے بقول یہاں قبضہ سے قبل فروخت ممنوع ہونے کی وجہ رسک نہ لینا بیان ہوئی ہے۔ لہٰذا جب مال کے نقصان کی ذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ آگے فروخت کر سکتا ہے دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری نہیں۔ مگر دو وجہ یہ استدلال درست نہیں ہے۔

①...... یہ اوپر مذکوران احادیث کے خلاف ہے جو اس امر پر صریح دلالت کر رہی ہیں کہ فروخت سے قبل نقل وحمل لازمی ہے۔

②...... یہ استدلال فرمان رسول ﷺ کی حکمت کے خلاف ہے۔ چناں چہ امام ابن قیم رحمہ اللہ اس کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

’’اس کی علت (کے تعین) نے بعض فقہاء کو مشکل میں ڈال دیا ہے حالاں کہ یہ شریعت کے محاسن میں سے ہے کہ جب پوری طرح قبضہ نہیں ہوگا اور فروخت کنندہ کا اس سے تعلق ختم نہیں ہوگا تو وہ مشتری کو فائدہ ہوتا دیکھ کر معاملہ منسوخ کرنے اور قبضہ نہ دینے کا لالچ کرے گا اور اگر قبضہ دے گا بھی تو آنکھیں بند کر کے اور نفع سے محرومی کا افسوس لیے ہوئے دے گا۔ چناں چہ اس کا نفس ادھر ہی متوجہ رہے گا اس کا طمع ختم نہیں ہوگا یہ مشاہدے سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ شریعت کا کمال اور خوبی ہے کہ جب تک چیز کو حاصل نہ کر لے اور اس کی ذمہ داری میں نہ آجائے نفع ممنوع ہے تاکہ فروخت کنندہ منسوخ کرنے سے مایوس ہو جائے اور اس کا تعلق ختم ہو جائے۔‘‘

[تہذیب، ج:۵، ص:۱۵۳،۱۵۴]

اس سے ثابت ہوا کہ اگر مشتری نقصان کی ذمہ داری لے بھی لیتا ہے لیکن اپنے قبضہ میں نہیں لیتا تو بھی اسی جگہ فروخت نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ بات فرمان رسول ﷺ کی حکمت کے خلاف ہے۔



مضامین نگار حضرات سے گزارش

’’الاعتصام‘‘ کے مضامین نگار حضرات وخواتین سے گزارش ہے کہ وہ درج ذیل باتوں کا ضرور خیال کیا کریں۔

- ⊙......مضمون صاف ستھرا، باحوالہ، مدلل ہو۔
- ⊙......حوالہ مکمل ہونا چاہیے۔
- ⊙......آیت نمبر، حدیث نمبر، کتاب کا نام، طباعت کی تاریخ پر مبنی حوالے ہونا ضروری ہیں۔
- ⊙......کاغذ کی ایک طرف حاشیہ چھوڑ کر لکھا ہونا چاہیے۔
- ⊙......کاغذ کی دونوں طرف لکھا گیا مضمون واپس کر دیا جائے گا۔
- ⊙......بامقصد اور موزوں مضمون ضرور شائع ہوگا۔
- ⊙......مضمون کی اشاعت کے لیے اپنی باری کا انتظار کریں۔

امید ہے احباب مندرجہ بالا چیزوں کا خیال فرمائیں گے اور ادارے کے ساتھ قلمی تعاون جاری رکھیں گے۔

ان شاء اللہ [منیجر]

تذکرۃ الاخیار

صوفی محمد عبداللہ، جامعہ تعلیم الاسلام اور اس کی عظیم الشان لائبریری

جناب محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد

حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ کا شمار ان برگزیدہ بندوں میں ہوتا ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے پناہ اوصاف وکمالات اور انعام واکرام سے نوازا تھا۔ وہ بڑے بلند کردار، عالی ہمت، تقویٰ شعار، نیک وصالح، متوکل علی اللہ، جہاں دیدہ، اہل علم کے قدردان، طلباء کے غم خوار، غریب پرور، مہمان نواز اور جذبۂ جہاد سے سرشار مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔

ان کی زندگی خلوص وللّٰہیت سے عبارت تھی۔ انہوں نے تن من دھن سے دعوت دین کا فریضہ ادا کیا اور عملی طور پر میدانِ جہاد میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ وہ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ کی تحریک جہاد کے سرگرم رکن اور آخر میں امیر رہے۔ قرآن وسنت کی تعلیم کا فروغ ان کی زندگی کا مطمع نظر اور وظائف واوراد ان کا معمول تھا۔ بلاشبہ وہ اپنے دور کے اولیاء اللہ اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ ۱۸۸۵ء کے پس وپیش وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام قادر بخش تھا۔ والدین نے صوفی صاحب کا نام محمد سلطان رکھا تھا جسے آگے چل کر انہوں نے محمد عبداللہ رحمہ اللہ سے بدل لیا اور پھر صوفی عبداللہ کے نام سے شہرت دوام حاصل کی۔ صوفی صاحب رحمہ اللہ کے دادا ملک محمد سبحان کشمیر کے رہنے والے تھے اور وہاں کی اعوان برادری سے ان کا تعلق تھا۔ زعفران کی کاشت ان کا پیشہ تھا اور وہ اس میں اچھی شہرت رکھتے تھے۔ وہ زعفران کی خرید وفروخت کے لیے اکثر سیالکوٹ اور وزیر آباد آتے اور کئی کئی دن ان کا قیام وزیر آباد رہتا۔ پھر حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ ملک محمد سبحان کشمیر سے ترک سکونت کر کے وزیر آباد میں قیام پذیر ہوگئے اور انہوں نے یہاں چاول کی خرید وفروخت کا کاروبار شروع کر دیا۔ یہ ۱۸۵۷ء کے لگ بھگ کی بات ہے۔ ملک سبحان کے بیٹے اور حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے والد ملک قادر بخش کا بھی اپنے باپ کی طرح وزیر آباد میں اچھا خاصا کاروبار تھا اور شہر میں انہیں عزت واحترام کا مقام حاصل تھا۔ وہ غریب پرور، یتیموں کے مددگار اور بیواؤں کے معاون کی حیثیت سے مشہور تھے۔ یتیم بچوں کو وہی مقام دیتے تھے جو اپنے بچوں کو دیتے تھے۔ انہوں نے کئی غریب اور نادار بچیوں کی اپنے گھر میں پرورش کی اور پھر اپنے خرچ سے ان کی شادی کی اور اسی طرح کی جس طرح اپنی بچیوں کی کی جاتی ہے۔

[صوفی محمد عبداللہ از مولانا محمد اسحٰق بھٹی، ص:۷۸]

مؤرخ اہل حدیث حضرت مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب لکھتے ہیں کہ...... ملک محمد سبحان اور ان کے بیٹے قادر بخش فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے۔ ملک قادر بخش کے دو بیٹے اہل حدیث ہوگئے تھے۔ ایک سب سے بڑے محمد سلطان (یعنی صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ) اور دوسرے ان سے چھوٹے رحمت اللہ...... مسلک اہل حدیث پہلے صوفی عبداللہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا تھا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ پھر ان سے اثر پذیر ہو کر ملک رحمت اللہ اہل حدیث ہوئے۔ [ایضاً ص:۷۸]

حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ کی مسلک اہل حدیث سے وابستگی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس محلے میں صوفی صاحب رحمہ اللہ سکونت پذیر تھے، اسی محلے میں مشہور اہل حدیث عالم حضرت مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ کی مسجد تھی۔ اس مسجد میں حضرت حافظ صاحب کا سلسلہ درس جاری تھا۔ حافظ صاحب نابینا تھے لیکن برصغیر کے بہت بڑے عالم حدیث اور جلیل القدر محدث تھے۔ جن حضرات نے ان سے حصولِ علم کیا اور سند فراغت لی، ان میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، مولانا محمد علی لکھوی رحمہ اللہ، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ اور مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ جیسے اعاظم رجال شامل ہیں۔ حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے اللہ تعالیٰ نے بصارت کی نعمت تو بے شک چھین لی تھی، لیکن اس کے بدلے میں ان کو بے پناہ قوت بصیرت عطا فرما دی تھی۔

انہیں متحدہ پنجاب میں علم حدیث اور اس کے متعلق علوم کے سرچشمے کی حیثیت حاصل تھی۔ اس عالم اجل نے ۱۶/رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ (۱۸ جولائی ۱۹۱۶ء) کو وفات پائی۔

ملک محمد سبحان اور ملک قادر بخش کا مکان اسی محلے میں تھا، جس محلے میں اس عالی قدر شخصیت کا مکان تھا اور قریب ہی وہ مسجد تھی، جس میں وہ طلباء کو قرآن وحدیث کی تعلیم سے بہرہ ورفرماتے تھے۔ اس گلی میں ملک محمد سبحان کا پوتا اور ملک قادر بخش کا بیٹا عبداللہ اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول رہتا تھا۔ عبداللہ کے دادا اور والد اہل حدیث کے مخالف تھے۔ پوتے اور بیٹے پر بھی اس کا اثر تھا اور وہ اہل حدیث کو وہابی کہا کرتے تھے اور اپنے ہم عمر لڑکوں کے دلوں میں بھی ان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور انہیں اہل حدیث کی مسجد میں جانے سے روکتے تھے۔ اہل حدیث سے اس گھرانے کی مخالفت، نفرت کی حد تک پہنچ گئی تھی، ان کے چھوٹے بڑے تمام افراد اہل حدیث سے عداوت رکھتے تھے۔

البتہ رمضان کے مہینہ میں یہ ہوتا کہ مغرب کی اذان سننے کے لیے محلے کے بچے اہل حدیث کی مسجد کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو جاتے، ان میں عبداللہ رحمہ اللہ بھی شامل ہوتے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اہل حدیث کی مسجدوں میں سورج غروب ہوتے ہی اذان دی جاتی ہے اور یہ بچے اذان سنتے ہی روزہ افطار کرلو، روزہ افطار کرلو، کی آوازیں دیتے ہوئے گھروں کو دوڑ جاتے۔ ایک دن حسب معمول مغرب کی اذان سننے کے لیے مسجد کے دروازے پر دوسرے لڑکوں کے ساتھ عبداللہ رحمہ اللہ بھی کھڑا تھا کہ ادھر سے مولانا فضل الٰہی رحمہ اللہ تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں افطار کا سامان تھا۔ ان کی نظر عبداللہ رحمہ اللہ پر پڑی تو رک کے اور پوچھا تم کس کے بیٹے ہو جواب دیا، ملک قادر بخش کا...... فرمایا ملک قادر بخش تو میرا بھائی ہے اور تم میرے بھتیجے ہو...... آؤ مسجد میں بیٹھ کر روزہ افطار کریں۔ مولانا فضل الٰہی رحمہ اللہ کے یہ الفاظ سن کر عبداللہ بے حد متاثر ہوئے اور ان کے ساتھ مسجد میں چلے گئے۔ پھر ان کے ساتھ ہی روزہ افطار کیا اور نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر عبداللہ نے احترام آمیز الفاظ میں مولانا سے گھر جانے کی اجازت طلب کی تو مولانا نے انتہائی شفقت سے فرمایا بیٹے! ہر روز مسجد میں آیا کرو اور میرے ساتھ روزہ افطار کیا کرو۔ مولانا کے یہ الفاظ بھی پہلے الفاظ کی طرح پر تاثیر ثابت ہوئے اور روزانہ مسجد میں جانے اور مولانا کے ساتھ روزہ افطار کرنے اور نماز پڑھنے لگے۔ اس طرح وہ چند ہی روز میں مولانا سے مانوس ہو گئے۔ ایک دن مولانا نے ان سے پوچھا، قرآن پاک پڑھا کرتے ہو عرض کیا نہیں، فرمایا مجھ سے قرآن پاک پڑھا کرو۔ چناں چہ انہوں نے مولانا سے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا اور دونوں کا آپس میں استادی شاگردی کا رشتہ قائم ہو گیا۔

ملک قادر بخش کو کسی نے کہا تھا کہ تمہارا بیٹا مولانا فضل الٰہی سے قرآن پڑھتا ہے، وہ وہابی ہیں یہ بھی ان کے اثر سے وہابی ہو جائے گا اسے ان سے ملنے اور قرآن پڑھنے سے منع کرو۔ انہوں نے جواب دیا بچہ مولانا فضل الٰہی سے ناظرہ پڑھتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ناظرہ قرآنِ پاک سے ان کی زندگی کا دھارا بدلنے لگا، وہ جیسے جیسے قرآن پڑھتے گئے، ان کے دل کی حالت بدلتی گئی اور عمل کی دنیا منقلب ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ مولانا کے اخلاق، طرزِ کلام اور روزمرہ کے معمولات سے ان کی ذہنی کیفیت بالکل دگرگوں ہو گئی اور کم سنی کے باوجود ان کے روزمرہ کے معمولات حیرت انگیز طور پر ایک نئے قالب میں ڈھل گئے۔ اب ان کا شعور نئی کروٹ لے چکا تھا اور فہم جاگ اٹھا تھا اور وہ پکے اہل حدیث ہو گئے تھے۔ کسی قسم کا خوف ان کے دل میں نہیں رہا تھا۔[ایضاً ص:۸۰،۸۱]

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ جب ایامِ طفولیت سے نکل کر جوانی کی منزل کی طرف گامزن ہوئے تو انہیں مولانا فضل الٰہی صاحب رحمہ اللہ نے کئی طرح سے آزمایا۔ اس موقع پر صوفی صاحب ہر امتحان میں پورے اترے۔ اب وہ مولانا فضل الٰہی کے قابل اعتماد ساتھی تھے۔ اور انہوں نے اپنی امانت ودیانت، اطاعت شعاری اور قول وعمل میں یگانگت سے مولانا وزیرآبادی کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ صوفی صاحب نے مولانا فضل الٰہی سے قرآن پاک پڑھ لیا تھا اور اردو کی چند کتابیں بھی ان سے پڑھ لی تھیں۔ ان دنوں وزیرآباد میں حافظ عبدالمنان وزیرآبادی رحمہ اللہ اور مولانا عمر دین رحمہ اللہ کی وجہ سے وزیرآباد کو دینی علوم کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور ان کا ہنگامہ درس عروج پر تھا۔ گاہے گاہے

صوفی صاحب ان عالی قدر حضرات کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے بعض دینی کتب کی تحصیل کرتے۔ ان کے گھر والے ان کو حصولِ علم سے روکنے لگے تھے لیکن صوفی صاحب رحمہ اللہ کا عزم جواں تھا اور وہ دینی علوم حاصل کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے ہزار کاوشوں کے باوجود اپنے علمی سفر کو جاری رکھا۔

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے دل و ذہن میں قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ گھر کر گیا تھا۔ اپنے اس شوق کی تکمیل کے لیے انہوں نے مولانا فضل الٰہی کے مشورے سے حصولِ علم کی خاطر دہلی کا رخ کیا اور محدث ہند مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمہ اللہ (بانی جماعت غرباء اہل حدیث) کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ مولانا عبدالوہاب دہلوی واسوآستانہ ضلع جھنگ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ اور مولانا عبداللہ رحمہ اللہ غزنوی سے اکتساب علم اور آخر میں شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے کتب حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی اور پھر انہوں نے دہلی میں ہی وعظ وتبلیغ اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ برصغیر پاک وہند کی عظیم علمی شخصیت تھے۔ ان کا دائرہ درس وتدریس نہایت وسیع تھا۔ ان کے تلامیذ میں پروفیسر عبدالعزیز میمن، مولانا محمد سورتی، مولانا عبدالجلیل سامرودی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، اور امام عبدالستار کے نام نمایاں ہیں۔

حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا عبدالوہاب محدث رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ کر ان سے پورے قرآن کا ترجمہ پڑھا۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، بلوغ المرام پڑھی اور مشکوٰۃ شریف کا کچھ حصہ پڑھا۔ دہلی میں قیام کے دوران انہوں نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے عالی قدر استاد مولانا عبدالوہاب محدث رحمہ اللہ سے تربیت بھی حاصل کی اور یہ اسی تربیت کا اثر تھا کہ حضرت صوفی صاحب زندگی بھر قرآن وسنت پر سختی سے عمل پیرا رہے اور انہوں نے سنت نبوی کو اپنے لیے مشعل راہ بنائے رکھا۔ مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری (وفات ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۶ء) کا شمار حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ صاحب کے خاص ارادت مندوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے صوفی صاحب کی خدمات میں رہ کر ان کے دارالعلوم کے لیے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ

میاں صاحب کے تمام تلامذہ پورے خلوص، تندہی اور مستعدی سے سیماب صفت مسلک اہل حدیث کے لیے وقف تھے۔ ان تمام میں مولانا عبدالوہاب محدث ملتانی دہلوی مرحوم کا جذبہ فروغ عمل بالحدیث کا جہان ہی نرالا تھا۔ وہ ہر وقت مسلک کی تبلیغ، سنت کے احیاء اور حدیث کی اشاعت میں پارے کی طرح مضطرب رہتے تھے۔ سونے پر سہاگہ کی مثال تو آپ نے سنی ہوگی۔ مولانا عبدالوہاب اور ان کے تلامذہ کی کیفیت یہی تھی۔ یعنی اہل حدیث بجائے خود اپنے مسلک کے بارے میں خاصے ذکی الحس اور تیز تھے۔ اللہ پاک نے مولانا عبدالوہاب رحمہ اللہ میں یہ خوبی خاص کثرت سے ودیعت فرمائی تھی کہ جو طالب علم ان کی تربیت میں چند ہفتے گزار گیا، وہ اس کی رگ وریشہ اور نس نس میں سنت کی محبت، حدیث کی عظمت، توحید کی پختگی اور عمل بالحدیث کی لگن پیدا کر دیتے تھے اور ان کی محبت سے ان میں تمسک بالسنہ کا جذبہ موجزن ہو جاتا تھا۔ [صحیفہ اہل حدیث کراچی ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ]

دہلی میں مولانا عبدالوہاب کے ہاں صوفی صاحب رحمہ اللہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا کہ ان کے والد محترم ملک قادر بخش دہلی پہنچ گئے اور ان کی منت سماجت کے باوجود صوفی صاحب کو مجبور کر کے واپس گھر لے آئے۔ واپس آ کر وہ افسردہ رہنے لگے ان کو اپنی دینی تعلیم مکمل نہ کرنے کا بہت افسوس تھا۔ اس موقع پر والدین نے ان کی شادی کر دی لیکن صوفی صاحب رحمہ اللہ تو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کر چکے تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۲ء میں جماعت مجاہدین میں شمولیت اختیار کر لی تھی اور مولانا فضل الٰہی کے ہاتھ پر بیعت کر کے وہ جماعت مجاہدین کے باقاعدہ رکن بن گئے تھے۔ آگے چل کر انہوں نے تحریک آزادیٔ ہند کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس راہ میں انہیں بے پناہ مصائب اور تکالیف سے گزرنا پڑا لیکن ان کے عزم وہمت میں ذرا لغزش نہ آئی اور وہ ثابت قدمی سے اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔ مولانا فضل الٰہی رحمہ اللہ کے نزدیک صوفی صاحب رحمہ اللہ ہر اعتبار سے قابل اعتماد تھے اور ان کی ہدایات کے مطابق خدمات سرانجام دیتے تھے۔

صوفی صاحب رحمہ اللہ جواں عمری میں ہی بڑے نیک اور تقویٰ شعار

تھے۔ ان کی قبولیت دعا کے واقعات اسی دور میں ظہور پذیر ہونے لگے تھے۔ صوفی صاحب رحمہ اللہ کی تبلیغی و تعلیمی خدمات اور مجاہدانہ کارناموں اور قبولیت دعا پر مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب نے ایک نہایت عمدہ اور ضخیم کتاب لکھی ہے اور یہ کتاب ''صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ ...... حیات، خدمات، آثار'' کے نام سے مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔

صوفی صاحب رحمہ اللہ کے متعلق ہم نے کچھ باتیں اسی کتاب سے مستعار لی ہیں۔ ۱۹۲۳ء کے لگ بھگ صوفی صاحب رحمہ اللہ چک نمبر ۴۹۳ گ ب اوڈاں والا ماموں کانجن ضلع فیصل آباد تشریف لائے اور اس پسماندہ اور غیر معروف گاؤں کو اپنا مرکز سکونت قرار دیا۔ قیام اوڈاں والا کے ابتدائی دور میں لوگ انہیں ایک مسافر سمجھتے تھے جو مسجد میں رہ رہا تھا۔ صوفی صاحب رحمہ اللہ مسجد کی خدمت کرتے اور وہاں جھاڑو دیتے، صفیں جھاڑتے اور بچھاتے تھے۔ درزی بھی تھے، لوگوں کو مفت کپڑے سی دیتے تھے، ان کے گھریلو کام بھی کرتے۔ خود کو مسجد کا طالب علم بھی ظاہر کیا اور صوفی محمد ابراہیم رحمہ اللہ سے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ حالاں کہ اس سے بہت سال قبل دہلی میں مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمہ اللہ سے قرآن پاک کا ترجمہ بھی پڑھ چکے تھے اور درس نظامی کی بعض کتب کی تکمیل بھی کر چکے تھے۔

پھر آہستہ آہستہ لوگوں کو بھی قرآن کا ترجمہ پڑھانا شروع کر دیا۔ دیر تک مسجد میں بیٹھے ذکر واذکار کرتے رہتے اور لوگوں کو ضروری مسائل بتاتے۔ اوڈاں والا کے قریبی گاؤں چک نمبر ۵۰۷، چک نمبر ۴۹۱ جنڈاں والی، چک نمبر ۴۹۲ وغیرہ میں دن میں وقت مقررہ پر جاتے کسی کو ناظرہ قرآن پڑھاتے، کسی کو ترجمہ قرآن، اور کسی کو دینیات کی چھوٹی موٹی کتابیں پڑھاتے۔ سات آٹھ سال ان کا یہی معمول رہا۔ اوڈاں والا اور اس کے قرب وجوار کے گاؤں کے لوگ صوفی صاحب رحمہ اللہ کے تقویٰ اور تدین سے بہت متاثر تھے اور ان کے وہاں جانے کے ابتدائی دور ہی میں وہ ان کے عقیدت مند ہو گئے تھے۔

اب اختصار کے ساتھ صوفی صاحب رحمہ اللہ کے مدرسہ کے بارے میں چند باتیں!

۱۹۳۲ء میں اوڈاں والا میں ایک تبلیغی جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں مولانا عبدالحق بہاولپوری رحمہ اللہ تشریف لائے۔ انہوں نے دوران تقریر فرمایا کہ اوڈاں والا بہت اچھا گاؤں ہے یہاں مدرسہ قائم کیا جائے تو کامیاب ہوگا۔ صوفی صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تقریر کے دوران کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ میں اس مدرسے کے لیے اپنی خدمت پیش کرتا ہوں اور ان شاءاللہ یہاں مدرسہ قائم کیا جائے گا۔ اس کے بعد صوفی صاحب نے گاؤں کے نمبردار اور دیگر معززین سے مشاورت کے بعد اوڈاں والا میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا اجراء کیا۔ ۱۹۵۶ء میں اسے دارالعلوم تعلیم الاسلام کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔

صوفی صاحب رحمہ اللہ کے خلوص، اساتذہ کی محنت اور طلباء کی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرما دیے کہ ملک کے دینی تعلیمی اداروں میں اسے مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اور یہ جامعہ کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چناں چہ ۱۹۷۶ء سے یہ جامعہ تعلیم الاسلام کے نام سے مشہور ہے۔ چک نمبر ۴۹۳ گ ب اوڈاں والا میں جامعہ کی اپنی کوئی عمارت نہ تھی اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ مسجد میں ہی جاری تھا۔ ۱۹۶۲ء میں صوفی صاحب رحمہ اللہ نے عیدالاضحیٰ کی چھٹیوں کے موقعہ پر طلباء کو جمع کر کے ایک لمبی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور پھر مدرسے کے لیے ماموں کانجن ریلوے اسٹیشن کے قریب بڑا وسیع وعریض قطعہ اراضی حاصل کر لیا گیا۔

۱۳ ستمبر ۱۹۶۳ء کو جمعۃ المبارک کے دن ٹھیک نو بج کر سترہ منٹ پر دارالعلوم کی نئی عمارت کی بنیاد صوفی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے دست مبارک سے رکھی۔ اس کے بعد تعمیر کا کام شروع ہوا۔ جیسے جیسے کمرے تعمیر ہوتے گئے تدریس کا سلسلہ شروع ہوتا گیا اور ۱۹۶۹ء میں تمام جماعتوں کی تعلیم کا انتظام ماموں کانجن میں ہو گیا اور گاؤں میں جو مدرسہ باقی رہا، اس کا انتظام مولانا محمد یعقوب ملہوی کے سپرد کر دیا گیا۔ ابتدا میں مدرسے کا نام دارالعلوم تعلیم الاسلام ہی رہا۔ بعد میں اسے دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ یہ دارالعلوم اب بھی وہاں قائم ہے اور مولانا محمد یعقوب کی وفات کے بعد اس کے منتظم ان کے صاحبزادے مولانا حافظ محمد امین صاحب کو بنا دیا گیا۔ حافظ صاحب اچھے طریقے سے چلا رہے ہیں۔ بلاشبہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام اوڈاں

والا اور جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن سے دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔اور اس میں بڑے نامی گرامی لوگوں کے نام شامل ہیں۔جنہوں نے اپنے علم وعمل سے اکناف عالم کومنور کیا۔ ان میں مدرس بھی ہیں، خطیب بھی اور مصنف حضرات بھی۔ یہ سب حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں اور اس کا اجر ان کو ملتا رہے گا، ان شاء اللہ۔صوفی عبداللہ صاحب رحمہ اللہ نے ۲۸/اپریل ۱۹۷۵ء کو تاندلیانوالہ میں وفات پائی اور جامعہ تعلیم الاسلام کے آنگن میں ان کو دفن کیا گیا۔

کتابیں پڑھنا اور جمع کرنا ایک ایسا شوق اور روگ ہے جسے لگ جائے پھر عمر بھر پیچھا نہیں چھوڑتا۔اہل علم کے ہاں کتاب دوستی کا سلسلہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔اس خطہ ارض پر بھی بڑے بڑے کتب خانے اور کتاب دوست موجود ہیں۔تعلیمی ادارے اور دینی مدارس کہ جہاں جملہ علوم اسلامیہ کی تدریس کا بندوبست ہوتا ہے، وہاں لائبریری کا ہونا از حد ضروری ہے تا کہ اساتذہ اور طلبا مطالعہ کر سکیں۔

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ بھی کتابوں سے بے حد شغف رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں بڑی عظیم الشان لائبریری قائم کی تھی۔ یہ لائبریری دینی مدارس کی لائبریریوں میں منفرد مقام کی حامل ہے۔اس لائبریری کے منتظم صوفی صاحب رحمہ اللہ کے خاص دست راست اور تربیت یافتہ مولانا عبدالقادر ندوی صاحب ہیں جو کتاب دوستی کے اعتبار سے اہل علم میں بلند مقام رکھتے ہیں۔میری ان سے نیازمندانہ ارادت عرصہ سے ہے۔وہ جہاں بھی ملتے ہیں کتابوں کے بارے میں ہی ان سے گفتگو ہوتی ہے۔کتاب دوستی کے حوالے سے ندوی صاحب کا ذوق بہت بلند ہے۔نئی اور نایاب کتابوں کے بارے میں سن کر وہ ان کے حصول کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں اور جب تک وہ ان کتب کو حاصل نہ کر لیں انہیں چین نہیں آتا۔آج جامعہ تعلیم الاسلام کی عظیم الشان لائبریری میں موجود مختلف موضوعات پر ہزاروں کتب یہ سب کچھ حضرت ندوی صاحب کی محنت، خلوص، ذوق اور تگ وتاز کی رہین منت ہیں۔

مجھے بارہا ندوی صاحب کی پرخلوص دعوت پر جامعہ تعلیم الاسلام اور اس کی عظیم الشان لائبریری دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی لیکن ۱۶/اپریل کی شام ندوی صاحب میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا ’’میرے بھائی کل ماموں کانجن میں مسجد صوفی عبداللہ میں ڈاکٹر سہیل حسن صاحب خطبہ جمعہ ارشاد فرمائیں گے۔آپ بھی آجائیں اور لائبریری دیکھیں اور اس پر اپنی زندگی میں ہی مضمون لکھ دیں۔ چناں چہ راقم السطور ۱۷/اپریل کو گیارہ بجے جامعہ تعلیم الاسلام پہنچ گیا۔میرے دوست حکیم مدثر محمد خاں صاحب بھی چک نمبر ۴۸۵، سمندری سے تشریف لے آئے۔ندوی صاحب منتظر تھے۔قاری حفیظ الرحمٰن ملتانی اور مولانا عبدالقیوم ضیاء چھتوی اور ندوی صاحب کے ہمراہ ہم لائبریری میں پہنچے۔مولانا عبدالقادر ندوی صاحب ایک ایک کتاب کے بارے میں بتا رہے تھے کہ یہ کتاب انہوں نے کہاں سے کس طرح خریدی اور اس کا موضوع کیا ہے۔پھر کہنے لگے کہ

صوفی صاحب کتب خانے سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے اور انہوں نے مجھے تاکید کر رکھی تھی کہ جب بھی اچھی کتاب مارکیٹ میں آئے، جامعہ کی لائبریری کے لیے ضرور خریدی جائے۔ چناں چہ ندوی صاحب نے لائبریری کے لیے کتابوں کے حصول کی خاطر لبنان، بغداد، شام، ہندوستان اور سعودی عرب وغیرہ کے بہت سے کتب خانوں سے فہرستیں منگوائیں اور ان میں سے جو کتابیں انہیں مطلوب تھیں ان کو ہر قیمت پر منگوایا گیا۔اس کے علاوہ ندوی صاحب جب بھی سعودی عرب گئے تو وہاں کے کتب خانوں سے معیاری کتب خرید کر لائے اور سعودی اداروں سے بھی لائبریری کے لیے کتب حاصل کیں۔یہی وجہ ہے کہ جامعہ تعلیم الاسلام نے جہاں تدریسی میدان میں شہرت پائی، وہاں کتب خانے کے سبب بھی اسے خاص شہرت ملی۔ یہ سب کچھ حضرت ندوی صاحب کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہے۔

جامعہ تعلیم الاسلام کی لائبریری میں کتابوں کی تعداد بقول مولانا عبدالقیوم ضیاء کے کم وبیش ڈیڑھ لاکھ ہے۔کتابیں عربی، اردو، فارسی اور دیگر زبانوں میں ہیں لیکن عربی کتب کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ کتابوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ہم جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے جامعہ سے جامع مسجد صوفی محمد عبداللہ کی طرف جانے لگے تو

جامعہ کے استاد فضیلۃ الشیخ محمد اسماعیل حفظہ اللہ تشریف لے آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ لائبریری کے لیے کتابیں خرید کر سعودی عرب سے ابھی واپس پہنچے ہیں اور وہ ندوی صاحب کو خرید کردہ کتابوں کی نوعیت، کمیت اور تفصیلات بتا رہے تھے کہ انہوں نے کس ادارے سے کتنے وزن کی کتابیں خریدیں اور وہ کس ذریعے سے کب پاکستان پہنچیں گی۔

یہ لائبریری چار علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم ہے۔ عربی کتب پر مشتمل لائبریری شاہ شہید ہال کے اوپر واقع ہے۔ اس میں کتب تفاسیر، کتب احادیث اور ان کی شروحات، سیرت، فقہ اسلامی، مذاہب اربعہ، فتاویٰ جات، علم الفرائض، تاریخ، جرح وتعدیل، تراجم وسوانح، ادب عربی، صرف ونحو اور دیگر بہت سے موضوعات پر امہات الکتب اس لائبریری کی زینت ہیں۔ مختلف ادیان ومذاہب اور ان کی تردید پر بھی کافی ذخیرہ موجود ہے۔ تمام کتب عنوانات اور موضوعات کے مطابق الگ الگ الماریوں میں سلیقے سے رکھی گئی ہیں۔ لائبریری کے اردو سیکشن میں پندرہ ہزار سے زائد کتابیں ہیں۔ ان میں اردو تفاسیر وتراجم، احادیث کے تراجم وشروحات اور سیرت النبی ﷺ پر مشتمل کتب ہیں۔ نیز مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد جوناگڑھی، مولانا محمد صادق سیالکوٹی اور دیگر بہت سے کثیر التصانیف مصنّفین کی اکثر کتب موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اقبالیات، بہت سے شعراء کے کلیات، اردو ادب کے اعاظم رجال کی بے شمار کتب نظم ونثر وغیرہ بھی اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ اردو لائبریری میں ادیان ومذاہب، تاریخ وادب، سوانح وتراجم اور دیگر موضوعات پر کافی ذخیرہ موجود ہے۔ بعض نادر ونایاب کتب بھی اس کی زینت ہیں۔

اس لائبریری کا ایک حصہ ایسی کتب پر مشتمل ہے جو مختلف حضرات کی طرف سے دی گئی ہیں۔ اس میں جن بزرگوں کے زیر مطالعہ/ملکیت کتب وغیرہ پہنچی ہیں ان میں حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا عبدالمجید سنانوی جہلمی، مولانا اللہ بخش روپڑی، مولانا شمس الحق ملتانی کے برادر نسبتی جناب محمد یوسف قریشی، صوفی محمد اکرم فاضل مدینہ یونیورسٹی حال مقیم جدہ، مولانا عبدالرحمٰن لائل پوری، جناب محمد طاہر چک نمبر ۴۸۰ گ ب، مولانا عمر دین وزیر آبادی، حکیم عبدالجبار ۴۸۳ گ ب اور مولانا صوفی عائش محمد رحمہ اللہ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ اور اس میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

مولانا عبدالمالک مجاہد صاحب نے بھی اچھا خاصا ذخیرہ کتب اس لائبریری کے لیے مرحمت فرمایا ہے۔ اس لائبریری میں درسی کتب کا سیکشن الگ ہے۔ یہاں سے جامعہ کے طلباء کو درسی کتابیں جن میں جامعہ کی نصابی کتب اور میٹرک، ایف اے، بی اے کی کتابیں جاری کی جاتی ہیں جیسا کہ بالعموم مدارس میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف جرائد ورسائل اور اخبارات کا ذخیرہ بھی ہے۔ اس میں روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ امروز، معارف اعظم گڑھ، برہان دہلی، تجلی دیوبند، مدینہ بجنور اور پاک وہند سے شائع ہونے والے بہت سے علمی ادبی اور مذہبی رسائل کی بے شمار جلدیں محفوظ ہیں۔

القصہ یہ لائبریری اپنے مشمولات کے اعتبار سے دینی مدارس کی لائبریریوں میں منفرد حیثیت کی عظیم الشان لائبریری ہے۔ اس سے مستفید ہونے والوں میں بڑے بڑے علماء، مصنّفین اور محققین کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ تحقیق اور تصنیف وتالیف کے لیے آنے والے حضرات کے لیے ہر قسم کی سہولیات میسر اور منتظمین چشم براہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے قائم کردہ گلشن کو سدا شاد وآباد رکھے، آمین۔



سالانہ دعوت اہل حدیث کانفرنس

بمقام: مرکزی جامع مسجد اہل حدیث چک نمبر 7/8AR کرملی والا میاں چنوں۔ بتاریخ: یکم نومبر 2009 بروز اتوار بعد نماز مغرب تا رات گئے۔ ان شاء اللہ

زیر صدارت: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر صاحب

مقررین: ① حافظ ابتسام الٰہی ظہیر، ② قاری محمد خالد مجاہد ③ ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مکی، ④ محمد یوسف پسروری ⑤ قاری محمد یعقوب شیخ ......

[حافظ عبدالستار خطیب مسجد ہذا 0334-5007040]

ارباب دینی مدارس کی خدمت میں چند گزارشات

ڈاکٹر حافظ طاہر محمود

زیرنظر مضمون ان سفارشات وتجاویز کی مرتب شکل ہے جو وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان کے مرکزی اجلاس میں پیش کی گئیں۔ یہ سفارشات قارئین کے استفادہ کے لیے ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔

یوں تو دینی مدارس کے کئی پہلو اصلاح طلب ہیں۔ تعلیمی نصاب، وسائل تعلیم، اسالیب وتربیت، انتظامی وادارتی قوانین، طلباء واساتذہ کے حقوق اور ان کے روشن مستقبل کی منصوبہ بندی، ملازمین کے واجبات وذمہ داریاں، عصری علوم وفنون کا ادخال، ٹیکنیکل ورکشاپ اور ان جیسے دیگر موضوعات وابستگان دینی مدارس کی عملی توجہ کے متقاضی ہیں۔ ''مجلة الجامعة السلفية'' کی ان محدود سطور میں ہم جس اہم مسئلے کی طرف نشاندہی کرنا اور کروانا چاہتے ہیں وہ ہے ''اساتذہ وطلباء مدارس کے معیار زندگی میں بہتری۔''

امر واقع یہ ہے کہ دینی مدارس جہاں اپنے پس منظر اور پیش منظر کے اعتبار سے تقدس واحترام کے حامل ہیں وہاں اپنی خودساختہ خشونت، بے محل سادہ لوحی، مصنوعی زہد وتقشّف اسلامی ذوق جمال کے عدم احساس اور عصر حاضر کے جدید تقاضوں سے تغافل یا عدم ادراک کی بنا پر معاشرے میں باذوق اور حساس لوگوں کے ہاں کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہیں کرسکے۔ ہماری سوسائٹی میں کتنے افراد ایسے ہیں کہ جو اپنے جگر گوشوں کو مکمل دینی تعلیم دلوانا چاہتے ہیں مگر مدارس کے ماحول کو پسماندہ پاکر اپنے نیک ارادوں سے باز آجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ اساتذہ کا معیار زندگی اپیل کرتا ہے نہ طلباء کا طرز بودوباش نہ کلاس رومز ان کے لیے کشش کا سامان رکھتے ہیں اور نہ ہی رہائشی کمرے اپنے اندر کوئی جاذبیت رکھتے ہیں۔ نظام قیام وطعام بھی حفظانِ صحت وصفائی کے اصول وآداب سے عاری رہتا ہے۔ اس قسم کا غیر معیاری ماحول مستقبل کے علماء، خطباء اور ائمہ مساجد کی نفسیات واخلاقیات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ عزت نفس، خودداری اور بے باکی جیسی خصال حمیدہ مرجھا جاتی ہیں۔ یہ حقیقت بھی ہمارے لیے سوالیہ نشان ہے کہ ہمارے مدارس کے فضلاء مختلف شعبہ ہائے زندگی میں احساس کمتری کا شکار کیوں رہتے ہیں؟ اور ان کے میدان ہائے تگ وتاز محدود سے محدود تر کیوں ہورہے ہیں؟ اور کتنے ہی مشائخ عظام وعلمائے کرام ہیں جو انہی مدارس کے نہ صرف خوشہ چیں اور پروردہ ہیں بلکہ کلیدی مناصب پر فائز ہیں مگر مدارس کی پس ماندگی اور مسکنت کے باعث اپنے نونہالوں کو مدارس کا رخ کرنے نہیں دیتے۔ اگر مدارس کے ظاہری ماحول کے معیار سے بدظن ہوکر کوئی اپنے بچے کو حافظ قرآن یا عالم دین نہ بناسکا تو بتلایئے اس کا بالواسطہ گناہ کس پر ہوگا؟

بعض ارباب مدارس کا یہ گمان کرلینا کہ مدارس کے طلباء دیہاتی ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں، پس ماندہ علاقوں اور غریب خاندانوں سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا دووقت کی روٹی اور سونے کے لیے ایک بے ہنگم سا ہال بنادیں یہی کافی ہے، یہ ایک سطحی اور غیر ذمہ دارانہ سوچ ہے۔ اسی طرح ان مدارس کو نفوس زکیۃ، اصحاب صفہ اور سلف صالحین کے طرز بودوباش کا تسلسل وامتداد قرار دے کر وسائل کے ہوتے ہوئے ان کی فلاح وبہتری کے لیے ہاتھ کھینچ رکھنا قرین دانش وصواب نہیں ہے۔ ارباب مدارس کو چاہیے کہ وہ احساس ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے مشنری جذبے کے تحت متحرک ہوں اور اپنے مالی وسائل وموارد کو وسعت دینے کے لیے کوشاں ہوں۔ نیتوں میں اخلاص، ارادوں میں استحکام اور جذبوں میں صداقت ہو تو مشکلات بفضل اللہ آسان ہوتی چلی جاتی ہے۔

ان سطور کے تحریر کرنے کا مقصد کسی بھی مدرسے کے ذمہ داران کی حوصلہ شکنی اور ان کی مساعی جمیلہ کی تنقیص ہرگز مطلوب نہیں ہے۔ میرے علم ومشاہدے میں مسئولین مدارس میں سے ایسے افراد بھی ہیں جو بوقت ضرورت اپنی ذاتی جیب سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں اور بطور قرض حسنہ بھی مالی تعاون کرتے ہیں اور چندہ کی وصولی میں کئی قسم کی مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔ مقصد تحریر صرف اس احساس کو بیدار کرنا ہے کہ اساتذہ وطلباء کے معیار زندگی کو بہتر سے بہترین بنایا جائے اور اس ہدف کو اپنی ترجیحات میں شامل کیا جائے۔ اگر ارباب مدارس امانت وخلوص کے ساتھ یہ تکفیر وتخطیط کریں کہ یہ طلباء ہمارے ہاں امانت ہیں، ہم ان کے روشن مستقبل کے امین ہیں اور ہم نے انہیں معاشرے کا ایک فعال عنصر بنانا ہے تو میرے خیال میں ہم اصلاح کی شرعات میں داخل ہوجائیں گے۔

اساتذہ اور طلباء کے معیارِ زندگی کو بہتر بنانے کے لیے چند تجاویز پیش خدمت ہیں:

اساتذہ کے متعلق: ① استاد جس قدر ذہنی اور نفسیاتی طور پر آسودہ حال ہوگا اسی قدر وہ اپنے فرائض تدریسی کی ادائیگی میں یکسو ہوگا۔ استاذ کا مشاہرہ اتنا ہو کہ وہ فکر معاش سے آزاد ہوکر اپنے ادائے واجب میں مشغول رہے۔

مادیت و مہنگائی سے اٹے ہوئے اس دور میں اکثر اساتذہ تین تین یا چار چار جگہوں میں ملازمت کر کے اپنے ماہانہ بجٹ کو پورا کرتے ہیں۔ ان حالات میں اساتذہ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ تازہ مطالعہ سے سرشار ہو کر مسند تدریس پہ جلوہ افروز ہوں، یہ آرزوئے عبث ہے۔ مقام افسوس ہے کہ بعض مدارس میں استاذ کا وظیفہ ایک مزدور کی ماہانہ اجرت سے بھی نصف ہے۔ میری متواضع رائے کے مطابق ایک مستند ابتدائی استاد کی ماہانہ تنخواہ (بعوض چھ گھنٹے یومیہ) ایک مزدور کی ماہانہ تنخواہ سے پچاس فیصد زائد ہونی چاہیے نیز ہر سال کم از کم دس فیصد اضافہ ہو۔

② جو مدارس وسیع وعریض رقبوں پر مشتمل ہیں وہاں اساتذہ کے لیے مناسب معیار کی رہائشیں تعمیر کی جائیں۔ افراد خانہ کی تعداد کے پیش نظر رہائشوں کا حجم ملحوظ رکھا جائے۔ ان رہائشوں میں مقیم اساتذہ کو تعلیمی اوقات کے بعد طلباء کی نگرانی واخلاقی تربیت کی ذمہ داریاں سونپی جائیں۔ اس سے اساتذہ اور طلباء کے مابین تعلقات میں قربت وپختگی پیدا ہوگی اور دور دراز سے آنے والے واساتذہ کا قیمتی وقت بھی محفوظ رہے گا۔

③ انتظامیہ مدارس کے ذہنوں میں اساتذہ کا مقام ومرتبہ کا ادراک بہرحال موجود رہنا چاہیے۔ وہ اساتذہ کو ایک عام تنخواہ دار ملازم کی حیثیت سے نہ دیکھیں بلکہ دل سے ان کی توقیر وتکریم کریں۔ ہمارے دین میں معلم کو جتنی عزت عطا کی گئی ہے شاید ہی کسی اور دین میں ہو، مگر مقام تاسف وتحسر ہے کہ اس دین کے ماننے والے اپنے اساتذہ کو ذلیل اور بے وقعت کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ مغربی ممالک میں بالخصوص اور چند دیگر ممالک میں جس طبقہ انسانیت کو سب سے زیادہ عزت سے نوازا جاتا ہے وہ اساتذہ کا گروہ ہے۔ جس قوم کے افراد واداروں میں اساتذہ کے بارے میں خیر خواہانہ جذبات پائے جاتے ہیں وہاں سے خیر وبرکت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

④ ارباب مدارس اور اساتذہ کے درمیان ایک ایسا ضابطہ عمل واخلاق طے ہونا چاہیے جس میں فریقین کے حقوق وواجبات کا تعین ہو اور امانت وخلوص کے ساتھ اس معاہدے کی پاسداری ہو۔ اس سے اساتذہ کو قدرے ذہنی تحفظ حاصل ہوگا۔ اساتذہ میں موجود بے چینی واضطراب کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ انہیں مدرسے میں اپنی بقاء کی ضمانت میسر نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ پکی نوکری کے حصول کے لیے دینی مدارس کی کریم سرکاری یا مستحکم این جی اوز کی نوکریوں کو ترجیح دے رہی ہے۔ یہ ایک سنگین المیہ ہے کہ مدارس کا ٹیلنٹ ایسی بے قدری کا احساس لیے دینی مدارس کو خیر باد کہہ رہا ہے۔

⑤ تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ دینی مدارس کی تعمیر وترقی اور انتظام وانصرام کی کامیابی میں دو طبقوں نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے، ایک طبقہ اہل علم حضرات کا اور دوسرا اہل خیر (مخیّرین) کا۔ اوّل الذکر طبقہ نے اگر معنوی، فکری، علمی واخلاقی طور پر کسی مدرسے کو چار چاند لگائے ہیں تو دوسرے گروہ نے مادی وسائل کی فراہمی میں جود وسخا کی مثالیں قائم کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کیا ہے۔ آج بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ اساتذہ جامعہ اور اہل خیر انتظامیہ مدارس کے درمیان عزت وتوقیر، شفقت وتکریم کے جذبات مضبوط ہوں۔

اساتذہ اپنے مطالبات پیش کرتے وقت انتظامیہ کی مجبوریوں اور زمینی حقائق کو سامنے رکھیں اور انتظامیہ جائز مطالبات کو پورا کرنے کے لیے مخلصانہ کوششیں کرے۔

⑥ بحث وتحقیق اور تالیف وتصنیف کا شغف رکھنے والے اساتذہ کی ہر ممکن مالی طور پر حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کے تحقیقی مقالوں کی نشر واشاعت کا بندوبست ہو بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ اصحاب قلم وقرطاس اساتذہ کو مختلف علمی وتحقیقی مشاریع بطور ہدف دیئے جائیں اور اس کام کے لیے مناسب اعزازیہ مقرر ہو۔ یاد رہے کہ عالی شان عمارتوں کی تعمیر وترقی سے زیادہ علمی، فکری، معنوی، روحانی، اخلاقی اور نفسیاتی اقدار کی آبیاری کی فکر زیادہ دامن گیر ہونی چاہیے۔

⑦ کسی ناگہانی مصیب وصدمہ یا کسی خوشی وغمی کے موقع پر استاذ کی مالی واخلاقی اعانت کی جائے اور نہایۃ الخدمۃ کے موقع پر بھی مناسب اعزازیہ دیا جائے۔

⑧ علمی، فکری ومادی ترقیاتی اصلاحات کے نفاذ کے وقت سالانہ بجٹ کا متاثر ہونا امر یقینی ہے، اس مشکل پر قابو پانے کے لیے مدرسہ میں زیر تعلیم تمام طلبہ بالعموم اور خوشحال گھرانوں سے تعلق رکھنے والے طلباء پر بالخصوص مناسب اور حسب حال ماہانہ فیس مقرر کی جاسکتی ہے۔

⑨ ارباب وفاق المدارس السّلفیہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ آنے والی نسلوں کے دینی، علمی، روحانی اور فکری مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے جدید تقاضوں کے مطابق اور اپنی روشن اقدار وروایات کے موافق کوئی جامع تعلیمی پالیسی وضع کریں۔ ایسے تعلیمی نظام کے قیام کا احساس شدت سے ہو رہا ہے جس میں اعلیٰ طبقوں اور خوش حال خاندانوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان اندرون وبیرون ملک سے جمع ہو کر اپنی علمی وروحانی تشنگی کو دور کرسکیں۔ ایسے متوقع انسٹی ٹیوٹ کے لیے ماہر اساتذہ کی تیاری کی فکر ابھی سے کرنا ہوگی۔

یہ چند خواطر ومقترحات ہیں جو من باب النصیحہ والاخلاص احاطہ تحریر میں آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا جوئی کے لیے ایسے کام کرنے کی توفیق دے جو ہم سب کے لیے توشۂ آخرت بن جائیں۔

❀❀............❀............❀❀

پسِ دیوار

خلافِ دیں کوئی سازش پسِ دیوار کرتا ہے
خدائے پاک اُسے رسوا سرِ بازار کرتا ہے
گزرتا ہے کوئی جب آبلہ پا دشت الفت سے
فضائے دشتِ الفت کو وہ لالہ زار کرتا ہے
سمجھتا ہے سعادت وہ رہِ حق میں صعوبت کو
بیاں حق بات مردِ حق سرِ دربار کرتا ہے!
وہ بے شک لائق عفو و کرم ہے دونوں عالم میں
ندامت سے جو اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے
بشر کس درجہ ناداں ہے گناہوں کی عفونت سے
بدن کے ساتھ اپنی روح بھی بیمار کرتا ہے!
سمجھتا ہے جسے غمخوارِ جاں ہمدردِ جاں اپنا
اسی سے اپنے غم کا ہر کوئی اظہار کرتا ہے
فرشتے تھر تھرا اٹھتے ہیں ساتوں آسمانوں پر،
کوئی مومن کسی مومن سے جب تکرار کرتا ہے
اُسے اپنی طرف نارِ جہنم کھینچ لیتی ہے
کوئی بدبخت جب حد شریعت پار کرتا ہے
خدا کے قہر کو آواز دیتا ہے وہ اے عاجز
جو انکارِ پیاماتِ شہِ ابرار کرتا ہے!

[عبدالرحمٰن عاجز، مالیرکوٹلوی]